إن أكرمكم عند الله أتقاكم
سیرت الصدیق
سیرت نگار:
نواب صدر یار جنگ بہادر
مولانا محمد حبیب الرحمن خان شیروانی
صدر الصدور امور مذہبی حیدرآباد دکن ہند
والضحیٰ پبلی کیشنز

بسم الله الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمانِ باری تعالٰی

درود و سلام پڑھنے سے اللہ عزوجل کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝

فرمانِ حبیبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ

يَا رَسُولَ اللّٰه

وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰه

وہ شخص بخیل ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے۔ اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ

بچوں کے لیے

سیرت الصدّیق

سیرت نگار:

نواب صدر یار جنگ بہادر

مولانا محمد حبیب الرحمن خان شیروانی

صدر الصدور امور مذہبی حیدر آباد دکن ہند

والضحیٰ پبلی کیشنز

ہادیہ حلیمہ سنٹر غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور۔ پاکستان

Cell:0300-7259263,0315-4959263

کتاب	سیرت الصدیق
مصنف	نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا محمد حبیب الرحمٰن خان شروانی
حسبِ اِرتضا	محمد رضاء الحسن قادری (مؤسس دارالاسلام، لاہور)
ناشر	**والضحیٰ** پبلی کیشنز، دربار مارکیٹ، لاہور، پاکستان
لیگل ایڈوائزر	محمد صدیق الحسنات ڈوگر؛ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور
تاریخِ اشاعت	جمادی الاخریٰ 1436ھ / اپریل 2015ء
ضخامت	192 صفحات
تعداد	1100
قیمت	200 روپے

سیل پوائنٹس

مکتبہ فیضانِ مدینہ؛ مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد

0312-6561574، 0346-6021452

مکتبہ نوریہ رضویہ پبلی کیشنز؛ فیصل آباد، لاہور

دار الاسلام؛ مسجد روحی، بھاٹی گیٹ، لاہور

مکتبہ برکات المدینہ؛ کراچی

انوار الاسلام؛ چشتیاں، بہاول نگر

مکتبہ غوثیہ ہول سیل؛ کراچی

تفہیم الاسلام فاؤنڈیشن، دینہ

احمد بک کارپوریشن؛ راول پنڈی

رضا بک شاپ؛ گجرات

الجنت بک سیلرز، فیصل آباد

مکتبہ شمس وقمر؛ بھاٹی چوک، لاہور

مکتبہ قادریہ؛ لاہور، گجرات، کراچی، گوجراں والا

مکتبہ اہل سنت؛ فیصل آباد، لاہور

مکتبہ حنفیہ سیفیہ، بہاول پور

دار النور؛ داتا دربار مارکیٹ، لاہور

ہجویری بک شاپ؛ گنج بخش روڈ، لاہور

ضیاء القرآن پبلی کیشنز؛ لاہور، کراچی

فہرست

مقدمہ طبعِ ثالث

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم.
حَامِداً وَّ مُصَلِّیاً۔

''سیرۃ الصدیق'' کی اِشاعت کو آٹھ سال کا زمانہ ہو چکا۔ اِس عرصے میں دوبار چھپی اور بہت دن ہوئے کہ تقسیم ہوگئی۔ اہل ایمان کا شوق طبع ثالث کا متقاضی رہا۔ جو مضامین لکھنے سے رہ گئے تھے اُن کی تحریر کے اِنتظار میں چھپنا ملتوی تھا۔ بالآخر ممباسہ (ملک افریقہ) سے فرمائش آئی۔ قلب نے محسوس کیا کہ اب مزید تاخیر ایک گونہ معصیت ہے۔ لہٰذا طبع سوم کی تیاری کی گئی، مضامین ذیل اِضافہ ہوئے:

(۱) فضائل

(۲) اوّلیات

(۳) خاتمہ

اِس اِضافے سے کتاب کا حجم تقریباً ڈیوڑھا ہو گیا۔ فضل ربانی نفع دہ گونہ فرمائے۔ وَ مَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ۔

فضائل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خطبہ غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔ یہ گویا حیاتِ صدیقی پر تبصرہ ہے، معرفت اور بلاغت کی اُس قوت کے ساتھ جو حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کا حصہ تھی۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

محمد حبیب الرحمٰن خاں
حبیب گنج ضلع علی گڑھ
جمعہ ۱۴ رذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ قَامُوْا وَ اَقَامُوْا عَلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ.

عرصہ ہوا کہ میرے مکرم دوست ضیاء الدین احمد صاحب نے فرمائش کی تھی کہ مَیں قرونِ اُولیٰ [1] کے کسی بزرگ کے حالات طلبائے مدرسۃ العلوم کے سامنے بیان کروں، مَیں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی کا اِنتخاب کیا جو بہ اِتفاقِ اہل سنت و جماعت افضل اُمت ہیں اور جن کی برگزیدہ زندگی میں دِین و دُنیا دونوں کی رہ بری کے اعلیٰ اوصاف جمع تھے۔ اِسی کے ساتھ ان کے حالات و واقعات بہت کم اہل دین کے پیش نظر ہیں۔ آج کل اہل اِسلام جس اِفراط و تفریط میں مبتلا ہیں، اس کا ایک مؤثر اور عمدہ علاج یہ ہے کہ قرونِ اُولیٰ کے بزرگوں کے واقعات کثرت سے شائع کیے جائیں تاکہ مسلمان ان کو پڑھیں اور سبق حاصل کریں۔ اُس دور کے مسلمان خالص اِسلامی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ اُن کی زندگی ان تمام بیرونی اثروں سے پاک صاف تھی جو بعد کو مسلمانوں کی زندگی پر مؤثر ہوتے گئے اور جنھوں نے اُن کو رفتہ رفتہ صراطِ مستقیم سے دور کر دیا۔ اسی دوری کا نتیجہ وہ تباہی اور بربادی ہے جس میں ہم مبتلا ہیں۔ خلاصہ یہ کہ قرونِ اُولیٰ کے مسلمان بہترین مظہر اِسلام تھے اور ان کا اِقتدا و پیروی ہر مسلمان بلکہ ہر ایک اِنسان کی زندگی کی کش مکش میں ایک کامل رہ بر و ہادی کا کام دے سکتی ہے۔ اسی یقین و عقیدے سے مَیں نے یہ رسالہ لکھا ہے۔ خداوند تعالیٰ قبول فرمائے اور مسلمانوں کو نفع بخشے۔

1- قرونِ اُولیٰ: اِبتدائے اِسلام کا دور

اسی رسالہ کی تحریر سے پہلے عرصہ تک مَیں نے کتابوں کا مطالعہ کیا، حالات انتخاب کیے، یہی وجہ ہے کہ فرمائش کی تعمیل میں اِس قدر تاخیر ہوئی۔ لیکن تاخیر سے جہاں اِنتظار کی زحمت ہوئی وہاں یہ نفع بھی ہوا کہ بعض نایاب کتابیں طبع ہو کر آ گئیں، مثلاً طبقات ابن سعد، نہایت معتمد و معتبر کتابوں میں سے یہ رسالہ مرتب ہوا ہے، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

جامع صحیح امام بخاری، سیرتِ اِبن ہشام، طبقاتِ اِبن سعد، معارف ابن قتیبہ، مروج الذہب: مسعودی، تاریخ الملوک والامم: امام ابن جریر طبری، کامل ابن اثیر، نزہۃ الابرار فی الاسامی (1)، مناقب الاخیار امام وجیہ الدین عمر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ابن عبدالبر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ابن حجر عسقلانی، تاریخ الخلفا: سیوطی، اِزالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا: شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی، جستہ جستہ باتیں فتوح البلدان: بلاذری اور العقد الفرید: ابن عبدربہ اور خلاصۃ الوفا اور الریاض النضرۃ: محب الدین طبری سے بھی ماخوذ ہیں۔ جغرافیہ کے متعلق معجم البلدان: یاقوت حموی اور فتح الباری سے مدد لی گئی ہے۔

مَیں نے کوشش کی ہے کہ واقعات صاف اور سیدھی عبارت میں بیان کر دیے جائیں اور وہ سادہ بیانی حتی الامکان ہاتھ سے نہ جانے دی جائے جو قدما مؤرخین کی روش تھی۔ عبارت آرائی سے قصداً اِحتراز کیا گیا ہے۔ لہٰذا اگر اِس رسالہ کی عبارت رُوکھی پھیکی معلوم ہو تو قابل چشم پوشی ہے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

محمد حبیب الرحمٰن خاں
حبیب گنج ضلع علی گڑھ
۱۴؍رجب المرجب ۱۳۳۱ھ یوم جمعہ

1- یہ ایک نایاب قلمی نسخہ ہے جو میرے کتب خانہ میں ہے۔
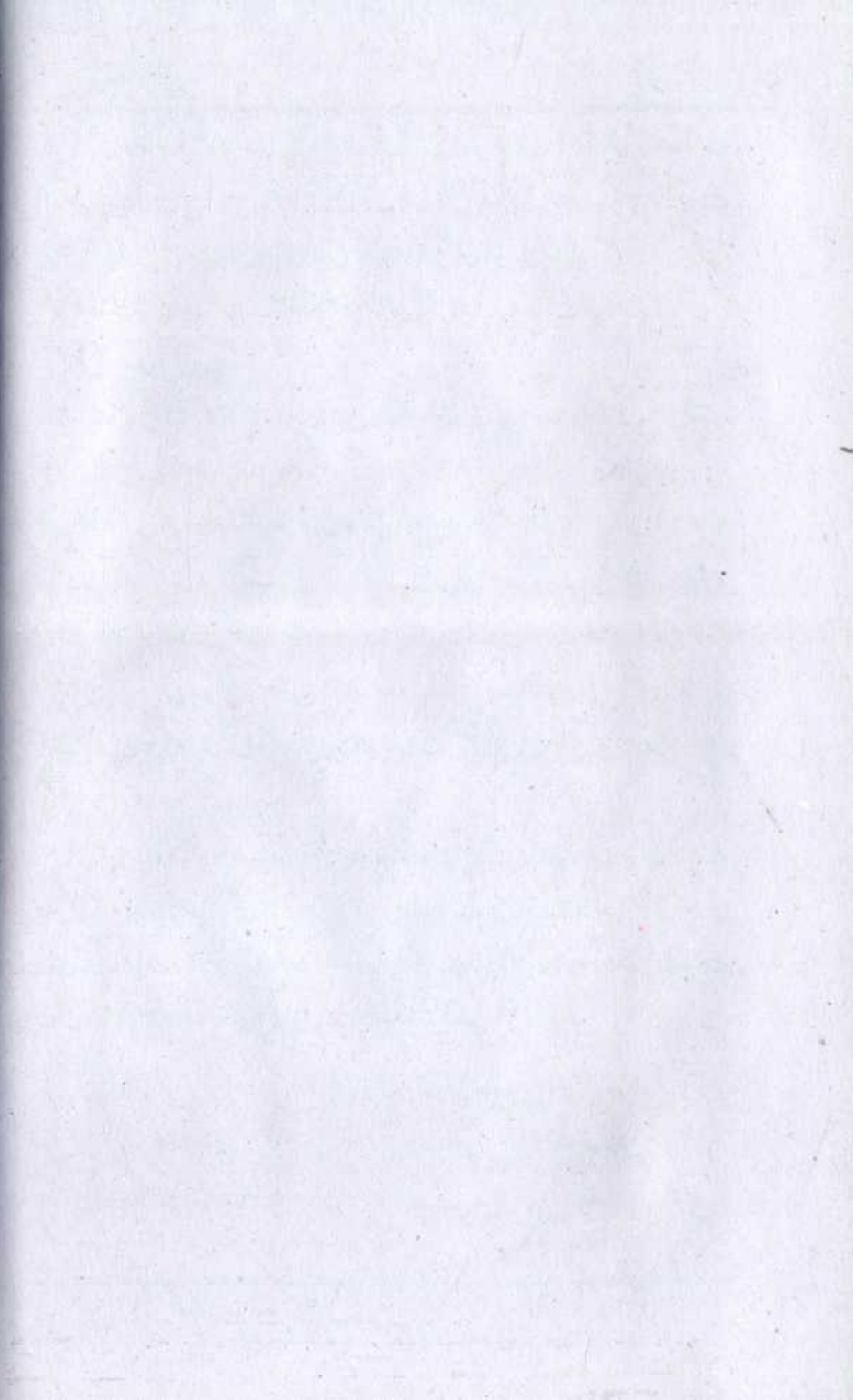
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بابِ اوّل

نام، نسب، لقب والدین:

ایامِ جاہلیت میں عبدالکعبہ نام تھا۔ بعد اسلام سرورِ عالم ﷺ نے عبداللہ تجویز فرمایا۔
صدیق وعتیق دونوں لقب ہیں۔
ابوبکر (1) کنیت۔ سب سے زیادہ شہرت کنیت نے حاصل کی۔
نسباً قریشی تیمی ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:
"عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب۔"
چھٹی پشت میں مرہ بن کعب پر پہنچ کر ان کا نسب حضرت سرورِ عالم ﷺ کے نسب سے مل جاتا ہے۔
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد کا نام عثمان، کنیت ابوقحافہ تھی۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے وقت نوے برس کی عمر میں اِسلام لائے۔ ۱۴ھ میں بہ عہد خلافت فاروقی وفات پائی۔
والدہ کا نام سلمٰی، کنیت اُمّ الخیر تھی۔ قریشی تیمی ہیں۔ اِسلام سے مشرف ہوئیں۔

1- بکر آپ کے اولاد میں کسی کا نام نہ تھا۔

وِلادت، ایام جاہلیت:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عام فیل (1) کے ڈھائی برس بعد پیدا ہوئے۔ یعنی آغاز سنہ ہجری سے پچاس برس چھ مہینے پہلے۔

ایام جاہلیت (2) میں بھی قریش کے رُؤسا میں سے تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (3) میں دس آدمی ایسے تھے جو ایامِ جاہلیت اور عہدِ اسلام دونوں میں رئیس وسربرآوردہ مانے گئے۔ من جملہ ان کے ایک حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ قیام مکہ میں رہتا تھا، تجارت ذریعہ معاش ودولت مندی تھی۔ سلسلۂ تجارت میں شام اور یمن کے متعدد سفر کیے تھے۔ پہلا سفر اٹھارہ برس کی عمر میں کیا۔ حسن اخلاق، ہمدردی، وسعتِ معلومات، دانش مندی اور معاملہ فہمی وہ اوصاف ہیں جن میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ قبل اِسلام بھی ممتاز تھے۔ ان ہی صفات کی وجہ سے لوگ ان کے گرویدہ تھے۔ اہم معاملات میں مشورہ لیتے اور ان کی رائے پر اِعتماد کرتے۔ قبیلہ قریش کی تاریخ، اس کی مختلف شاخوں اور خاندانوں کی قرابت ونسب کا جاننے والا ان کے عہد میں ان سے زیادہ کوئی نہ تھا۔ قبائل عرب صدیوں سے آزاد تھے اور ان پر کوئی بادشاہ حکم ران نہ تھا۔ قبیلوں کے سردار ہی معاملات کو طے کرتے تھے اور حکومت کے فرائض اور مختلف خدمتیں مختلف سرداروں کے سپرد ہوتی تھیں۔ قبیلہ قریش کی خدمتِ اُشناق (4)

1- آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے چالیس برس پہلے حبش کے بادشاہ نے مکہ پر حملہ کیا تھا، چوں کہ ہاتھی اس کے ساتھ تھے، اس لیے اس سال کا نام عام فیل اور حملہ کرنے والوں کا نام اصحاب فیل مشہور ہوا۔

2- ایام جاہلیت: عرب کا وہ زمانہ جو ظہور اسلام کے قبل تھا۔

3- جو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے وہ صحابی کہلاتے ہیں۔ صحابہ جمع کا صیغہ ہے۔

4- اِس خدمت کا تعلق دیت اور خون بہا سے تھا، جب کوئی قتل کر دیتا تھا تو قاتل سے جوابی بدلا لیا جاتا تھا اس کو دیت کہتے تھے۔ اس بدامنی وخون ریزی کے زمانے میں ظاہر ہے کہ یہ صیغہ کس قدر اہم اور ذمہ داری کا تھا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق تھی۔ جب کسی قبیلہ میں کوئی خون ہو جاتا تو اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خون بہا کی ضمانت کر دیتے تو مقبول ہوتی، دوسرے کی ضمانت قبول نہ کی جاتی۔ شعر کہنے پر پوری قدرت حاصل تھی۔ اِسلام لائے تو شعر کہنا چھوڑ دیا اور پھر کبھی نہیں کہا۔ شراب زمانہ جاہلیت میں بھی نہیں پی۔

اِسلام:

نزولِ وحی سے ایک سال پہلے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے جاتے تھے۔ آغازِ وحی کے زمانہ میں بہ سلسلۂ تجارت یمن گئے ہوئے تھے، جب واپس آئے تو قریش کے سردار ابوجہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ ملنے گئے، اثنائے گفتگو میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تازہ خبر دریافت کی، تو کہا: سب سے بڑی خبر اور بڑی بات یہ ہے کہ ابوطالب کا یتیم بچہ مدعی نبوت بنا ہے، اس کے اِنسداد کے متعلق ہم تمہارے آنے کے منتظر تھے۔ یہ سن کر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے دِل میں اِشتیاق پیدا ہوا اور اعیانِ قریش کو خوش اسلوبی کے ساتھ رُخصت کر کے خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئے، بعثت کے متعلق سوال کیا اور اسی جلسہ میں قبولِ اِسلام سے مشرف ہوئے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَیں نے جس شخص کے سامنے اِسلام پیش کیا اس میں ایک قسم کی جھجک اور تردّد و فکر ضرور پائی مگر ابوبکر کہ جس وقت مَیں نے ان کے سامنے اِسلام پیش کیا اُنھوں نے بے جھجک قبول کر لیا۔

اِس میں اِختلاف ہے کہ اوّل اِسلام کون لایا؟

بعض نے کہا ہے: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ بعض کا قول ہے: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔

قولِ فیصل یہ ہے کہ بالغ مردوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، لڑکوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، بی بیوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سب سے اوّل اِسلام لائے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وحی نازل ہونے کے ساتویں روز دائرۂ اِسلام میں داخل ہوئے تھے، ان سے پہلے حضرت ابوبکر اور حضرت علی

رضی اللہ عنہما دولت ایمان سے مالا مال ہو چکے تھے۔

ایمان لانے کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی تمام قوت و قابلیت، سارا اثر، کل مال و متاع، جان اور اولاد؛ غرض جو کچھ ان کے پاس تھا وہ سب اللہ اور اس کے رسول کی رضا جوئی و اطاعت میں وقف کر دیا اور قبولِ اسلام کے بعد ان کی تمام زندگی اطاعت و استقامت کی داستان ہے۔

قریش میں ان کا جو اثر تھا اس کو تم سن چکے ہو، اس اثر کا جلوہ تھا کہ گروہ سابقون اوّلون [1] کے ممتاز فرد مثلاً حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم ان کے ذریعے سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام سے فیض یاب ہوئے۔ مال ان غریبوں کی مدد میں صرف کیا جو اسلام لا کر سنگ دِل آقاؤں کی سختی کا نشانہ بن رہے تھے، ان میں سے بہت سوں کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خرید خرید کر آزاد کر دیا۔ من جملہ ان کے حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کی داستان کیسی دردانگیز ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آقا ان کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے بہت ناراض تھا۔ جوشِ غضب میں وہ عین دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر لٹاتا، سینے پر بھاری سا پتھر رکھ دیتا اور کہتا:

"جب تک لات اور عزّیٰ [2] پر ایمان نہیں لائے گا اِسی عذاب و مصیبت میں مبتلا رکھوں گا۔"

مگر پتھر کے نیچے سے آواز آتی:

اَحَد اَحَد۔

"میرا معبود وحدہ لاشریک ہے، وحدہ لاشریک۔"

ایک روز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ حالت دیکھی تو رحم آیا اور خرید کر آزاد کر دیا۔

1- سابقون اوّلون: وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو واقعہ بدر ۲ھ تک ایمان لائے۔

2- لات و عزیٰ عرب کے دو مشہور بت تھے۔

اِبتدائے اِسلام میں تین برس تک حضرت سرورِ عالم ﷺ نے تبلیغ اِسلام خفیہ فرمائی تھی۔ اس زمانہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی پوشیدہ خدمتِ اِسلام کرتے تھے۔

جب رسالت کے چوتھے سال یہ آیت نازل ہوئی:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۔

"تم کو جو حکم دیا جاتا ہے اُس کو علانیہ بیان کرو اور مشرکوں کی طرف سے منہ پھیر لو!"

تو رسول اللہ ﷺ نے کلمہ حق کا اِعلان شروع کیا اور شرک و جہل کی مذمت علانیہ فرمانے لگے۔ اس سے مشرکین عرب بھڑکے، ان کی بھڑک وحشی اور جنگ جو عربوں کی بھڑک تھی، کیا کچھ نہ کر گزرے، کوئی اِیذا اور کوئی تکلیف نہ تھی جو خدا کے حبیب (ﷺ) کو نہ پہنچائی گئی۔

اِن مصیبتوں میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بھی حصہ تھا۔ ایک روز حرمِ کعبہ میں مشرکوں کا مجمع ہے اور یہ تذکرہ کر رہے ہیں کہ ہمارے معبودوں کی مذمت اور توہین نئے نبی نے کیسے کی ہے؟ ناگاہ حضرت سرورِ عالم ﷺ طوافِ کعبہ کے واسطے داخل حرم ہوئے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر مشرکوں کی آتش غضب بھڑکی اور ایک شخص نے بڑھ کر کہا:

"اے شخص! تو ہی ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے"۔

اِرشاد فرمایا:

"بے شک۔"

یہ سن کر تمام مجمع آپ ﷺ سے لپٹ گیا۔ ناہنجار مارتے تھے اور کہتے تھے:

اَتَجْعَلُ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا۔

"کیا تو سب خداؤں کو ایک خدا کر دے گا؟"

آخر آپ ﷺ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ کسی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جا کہا:

اَدْرِكْ صَاحِبَكَ۔

''اپنے رفیق کی خبر لو!''

دوڑے ہوئے آئے اور مجمع کفار میں گھس گئے۔ کسی کو مارتے، کسی کو ہٹاتے اور کہتے جاتے:

وَيْلَكُمْ اَ تَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَ قَدْ جَاءَ كُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَّبِّكُمْ۔

''تم پر افسوس ہے! کیا ایک شخص کو تم اس کہنے پر مارے ڈالتے ہو کہ میرا رب اللہ ہے اور حال یہ ہے کہ وہ خدا کی جانب سے روشن دلیلیں تمہارے پاس لایا ہے۔''

یہ مداخلت مشرکوں کو سخت ناگوار ہوئی اور سب کے سب ان پر جھپٹ پڑے اتنا مارا کہ سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ عزیزوں نے آکر بچایا۔ یہ سن لو کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پٹتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ۔

''اے عزت وجلال والے! تیری ذات بہت بابرکت ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ اس واردات کے بعد جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر پہنچے ہیں تو یہ حال تھا کہ سر پر جس جگہ ہاتھ لگتا وہیں سے بال الگ ہو جاتے۔

واقعہ ہذا کے ساتھ ایک اور واقعہ سنو جس سے عزمِ رسالت کی شان کا اندازہ کر سکو اور عیاں ہو جائے کہ عین تلاطم شدائد کے وقت حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر مبارک کس قدر مطمئن تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رب کے فضل پر کس قدر بھروسہ تھا۔

''صحیح بخاری'' میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت کعبہ کے سایہ میں ردائے مبارک سر کے نیچے رکھے لیٹے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کی:

''یارسول اللہ! آپ ہماری مدد کے واسطے اللہ سے دعا نہیں کرتے۔''

یہ سن کر آپ ﷺ اُٹھ کر بیٹھ گئے، چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا۔ فرمایا:
"اگلے لوگوں کا گوشت لوہے کے کنگوں سے نوچ نوچ کر ہڈیوں سے الگ کیا گیا اس پر بھی وہ دین سے نہیں ہٹے، ان کے سر پر آرے چلائے گئے، چیر کر بیچ میں سے دو کر دیے تاہم دین پر قائم رہے[1]۔ اللہ اِس دین کو ضرور کامیاب فرمائے گا اور نوبت یہ پہنچے گی کہ ایک سوار صنعا[2] سے حضر موت تک جائے گا اور سوائے اللہ کے کسی سے نہیں ڈرے گا۔"
جب کفار کی سختیوں کا تحمل مسلمانوں سے نہ ہو سکا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ
"حبشہ کو ہجرت کر جاؤ! وہاں کا عیسائی بادشاہ عادل اور رحم دل ہے، اس کے زیرِ سایہ آدمیوں کو امن و آسائش کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔"
چناں چہ دو مرتبہ مسلمان ہجرت کر کے ملک حبش کو گئے؛ ایک دفعہ گیارہ مرد اور چار بی بیاں، دوبارہ اَسّی سے زیادہ مرد اور بی بیاں۔ خود سرورِ عالم ﷺ مکہ میں قیام فرما رہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرصہ دراز تک سختیوں کی برداشت کی اور دامن حضوری نہ چھوڑا، مگر آخر وہ بھی مجبور ہو گئے اور گھر بار کو چھوڑ کر بہ راہِ یمن ملک حبش کی راہ لی۔ پانچ منزلیں طے کر کے برک الغماد[3] نامی مقام پر پہنچے تھے کہ قبیلہ قارہ[4] کے رئیس ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے دیکھ کر حیرت سے پوچھا کہ
"کہاں جاتے ہو؟"
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ
"مجھ کو میری قوم نے نکال دیا۔ اب پردیس میں پھر کر اپنے رب کی

1- مدعا یہ ہے کہ تم اتنی ہی تکلیفوں سے گھبرائے جاتے ہو۔
2- صنعا و حضر موت یمن میں واقع ہیں۔ اُن کے درمیان کا فاصلہ ۲۱۶ میل ہے۔
3- یہ مقام یمن کی طرف مکہ سے پانچ منزل ہے۔
4- قبیلہ قارہ قریش کے قبیلہ بنی زہرہ کا حلیف تھا اس کی تیر اندازی ضرب المثل تھی۔

عبادت کروں گا۔"

ابن الدغنہ:

"تم سا آدمی جو بے کسوں کا مددگار، مصیبت زدوں کا ہم درد، مہمان نواز، راہِ حق کی مصیبتوں میں غم خوار ہو وہ نہ اپنے گھر سے نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جا سکتا ہے، مَیں تم کو پناہ دوں گا، مکہ کو لوٹ چلو اور وطن میں اپنے رب کی عبادت کرو!"

چناں چہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ابن الدغنہ کے ساتھ واپس آئے، شام کو ابن الدغنہ نے اشرافِ قریش کے مجمع میں جا کر کہا کہ تم ایسے شخص کو یہاں سے نکالتے ہو جو محتاجوں کا حامی، مصیبت زدوں کا غم خوار اور راہِ حق کی مصیبتوں میں ہم درد ہے۔ ابوبکر سے شخص کو نہ نکلنا چاہیے اور نہ نکالنا۔

قریش نے ابن الدغنہ کی امان کو تسلیم کیا اور کہا کہ ابوبکر سے کہ دو کہ اپنے رب کی عبادت گھر کے اندر کریں گھر میں بیٹھ کر جو چاہیں پڑھیں۔ علانیہ نہ عبادت کریں، نہ تلاوت، ورنہ ہم کو خوف ہے کہ ہماری مستورات اور ہمارے نوجوان مبتلائے فساد ہو جائیں گے۔

عرصہ تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی پابندی کی، آخر کار شوق دل نے مجبور کیا اور گھر کے باہر میدان میں ایک مسجد [1] بنا کر نماز و تلاوت میں مصروف رہنے لگے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بے حد رقیق القلب تھے، تلاوتِ کلامِ مجید کے وقت زار زار روتے۔ یہ عالم دیکھ کر قریش کی عورتوں اور نوجوانوں کا ہجوم ہو جاتا اور محوِ حیرت ہو کر پروانہ وار ایک دوسرے پر گرتے۔ اشرافِ قریش یہ حالت دیکھ کر گھبرا اُٹھے اور ابن الدغنہ کو بلا کر کہا کہ ابوبکر شرائط امن پر قائم نہیں رہے، باہر مسجد میں بالاعلان نماز و قرآن پڑھتے ہیں، ہم کو اپنی عورتوں اور نوجوانوں کے گُم راہ ہو جانے کا سخت اندیشہ

1- یہ اسلام میں پہلی مسجد تھی۔

ہے۔ ان کو روکو، ورنہ اپنی پناہ واپس لو! ہم تم سے بدعہدی نہیں کرنی چاہتے۔ اسی کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو علانیہ نماز و قرآن پڑھنے کی اجازت بھی نہیں دے سکتے۔

ابن الدغنہ نے آکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ ماجرا کہا، تو انہوں نے جواب دیا:

اَرُدُّ اِلَیْكَ جِوَارَكَ وَ اَرْضٰی بِجِوَارِ اللّٰهِ۔

"تمھاری پناہ تم کو مبارک! میں اپنے اللہ کی پناہ سے خوش ہوں۔"

یہ واقعہ تیرھویں سال نبوت کا ہے۔

ہجرت:

نزولِ وحی کے بعد تیرہ برس تک حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں قیام فرمایا۔ صبر و تحمل اور عزم و استقلال کی جو شان اِن تیرہ برس میں ذاتِ اقدس سے عیاں ہوئی وہ قیامت تک نوعِ انسانی کے واسطے شمع ہدایت کا کام دے گی۔

خیال کرو! ایک ذات، ظاہری اسباب حفاظت و مدافعت قطعاً معدوم، خالق کا پیام مخلوق کو پہنچانے کی گراں بار ذِمہ داری دوشِ مبارک پر، عرب سی سرکش جنگ جو اور کینہ پرور قوم سے شرک و بت پرستی، پشتوں کے اخلاقی جرائم اور بدکاریاں (جن کا سرچشمہ جہالت، سفا کی وخودسری تھی) چھٹانے اور تصفیہ و تزکیہ کے بعد ان کے دلوں کو نورِ عرفاں اور پاکیزگی اخلاق سے معمور کر دینے کی خدمت سپرد، اس پر کفار عرب کی ان اذیتوں اور تکلیفوں کا تحمل جن کا ایک شمہ اوپر بیان ہوا۔ پھر خدارا انصاف کرو کہ کیا یہ سب کچھ بدوں صداقت اور حق کی قوت کے ہوا؟ اگر ہوا تو پھر دنیا میں حق یا صداقت کوئی قوت نہیں، جھوٹ اور دغا سے بھی سب کچھ ہو سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مبعوث ہونے کے بعد تین برس تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ رسالت خفیہ فرمائی۔ اسی زمانہ میں اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوبکر، حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم ایمان لائے۔ اس کے بعد اعلانِ تبلیغ کا حکم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ حق اس قوت و عزیمت کے ساتھ فرمایا کہ عرب کی

پہاڑیاں اس کی صدا سے گونج اُٹھیں اور آج تیرہ سو برس گزر جانے پر بھی باوجود ہزاروں اِنقلابوں کے دُنیا کے تمام براعظموں میں وہ صدا گونج رہی ہے اور کروڑوں نفوسِ اِنسانی کے دل اس کی طرف لگے ہوئے ہیں۔

جب اہل مکہ کی طرف سے حضرت سرورِ عالم ﷺ مایوس ہو گئے تو آپ ﷺ نے یہ طریقہ اِختیار فرمایا کہ جو میلے نواحِ مکہ میں ہوتے ان میں تشریف لے جا کر احکامِ الٰہی سناتے۔ مدت تک یہ مجمعے بھی فیض یاب نہ ہوئے۔ آخر ایک مرتبہ آپ ﷺ مدینہ والوں کی جماعت میں تشریف لے گئے۔ اس گروہ نے پہلی ہی مرتبہ کلامِ اِلٰہی شوق اور توجہ سے سنا۔ دو تین سال کے عرصے میں اہل مدینہ کے دل پوری طرح مسخر ہو گئے اور وہ بقعہ پاک اِسلام کا دار الامن بن گیا۔

ہجرت سے چار مہینے پہلے آں حضرت ﷺ نے اپنے اصحاب کو عام اِجازت فرمائی کہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں۔ چناں چہ جوق جوق صحابی دار الہجرۃ کو جانے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی زمانہ میں ہجرت [1] کی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے چند مرتبہ قصد کیا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہر مرتبہ یہ کہہ کر منع فرمایا کہ خود مجھ کو حکم ہجرت کا اِنتظار ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فراستِ اِیمانی سے اپنی رفاقت کا اِحساس کر کے اِہتمام کے ساتھ دو طاقت ور اونٹوں کی پرورش شروع کر دی۔ حضرت سرورِ عالم ﷺ کا معمول تھا کہ صبح شام حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے جاتے۔ ایک روز خلافِ عادت دوپہر کے وقت دھوپ کی تیزی میں تشریف لے گئے۔ سر پر چادر لپٹی ہوئی تھی۔ اس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے بال بچوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی نے کہا:

”رسول اللہ ﷺ آ رہے ہیں۔“

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا:

”میرے باپ اور ماں ان پر قربان ہوں! یہ ناوقت کا آنا بے وجہ نہیں ہو سکتا۔“

1- ہجرت: رضائے اِلٰہی کے واسطے ترکِ وطن۔ اُس زمانہ میں ہجرت فرض تھی۔

اِسی عرصہ میں آپ ﷺ دروازہ پر پہنچ گئے، اوّل اِجازت طلب فرمائی، بعد اِجازت اندر تشریف لے گئے اور تخلیے کی فرمائش کی۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

"کوئی غیر نہیں، صرف میری ہی دونوں لڑکیاں ہیں۔"

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ

"ابوبکر! ہجرت کی اجازت آ گئی۔"

اُنھوں نے بے ساختہ کہا:

وَالصَّحَابَةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

"اور میری رفاقت یارسول اللہ؟"

اِرشاد فرمایا:

"رفاقت کی بھی اجازت ہے۔"

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرطِ مسرت سے رونے لگے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ اُس روز مَیں نے جانا کہ آدمی جوشِ خوشی میں بھی روتا ہے۔

اُسی وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دونوں اونٹ پیش کر کے عرض کی کہ

"یہ اونٹ آج ہی کے واسطے تیار کیے ہیں۔ ایک سواری خاصہ کے واسطے پسند فرمالیجیے۔"

آں حضرت ﷺ نے ایک اونٹ قیمتاً لے لیا۔ باقی جملہ اِنتظام بھی اسی وقت کیے گئے اور شب کا وقت روانگی کے واسطے مقرر ہوا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام جلیل القدر اصحاب ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تھے، صرف حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ باقی تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے اِس غرض سے مکہ میں چھوڑا کہ جو امانتیں حضرت سرورِ عالم ﷺ کے پاس تھیں وہ واپس دے کر مدینہ چلے آئیں۔ یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ باوجود تمام خصومت اور

عداوت کے کفارِ مکہ اپنی عزیز اور قیمتی چیزیں آں حضرت ﷺ ہی کے پاس امانۃً رکھتے تھے اور اس کا باعث وہ اطمینان تھا جو آپ ﷺ کی صداقت وامانت پر تھا۔

الغرض وقتِ معین پر حضرت سرورِ عالم ﷺ نے ہجرت فرمائی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم راہ تھے۔ مکہ سے روانہ ہو کر تین دِن تک غارِ ثور میں قیام رہا جو مکہ کے نواح میں ہے۔ اسی رفاقت کا ذکر اس آیۂ پاک میں ہے:

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ۔

''دو میں کا دوسرا جب کہ وہ دونوں غار میں تھے۔''

اور اسی غار میں آں حضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تسلی کے واسطے وہ کلام ارشاد فرمایا تھا جس کی عظمت وشان کے سامنے آج تک شدید سے شدید دشمن کا بھی سر خم ہے۔ یعنی

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔

''غم گین نہ ہو! یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

یہ وہ موقع ہے کہ صرف آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے رفیق غار کے اندر ہیں، کفارِ مکہ حالتِ غیظ وغضب میں سرگرمِ تلاش ہیں۔ تلاش کرتے کرتے دفعۃً غار کے منہ پر آ کھڑے ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو اُن کے قدم اپنے سر کے اوپر دیکھے تو گھبرا گئے اور کہا:

اُدْرِکنا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

''اے اللہ کے رسول! کافروں نے ہم کو آلیا۔''

آپ ﷺ نے غایت اطمینان کے ساتھ فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔

''غم گین نہ ہو! یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

روحی فداک یارسول اللہ!

تین دن کے بعد اونٹوں پر سوار ہو کر سمندر کی قریب کی راہ سے مدینہ کو روانہ ہوئے۔ ایک اونٹ پر حضرت سرورِ عالم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، دوسرے پر عبداللہ بن ارقط رضی اللہ عنہ راہ بر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام آزاد حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سن اُس وقت اُنچاس برس چھ مہینے کا تھا۔ ڈاڑھی اور سر کے بال بالکل سپید تھے۔ حضرت سرورِ عالم ﷺ کا سن مبارک ترپین برس کا تھا، مگر بال بالکل سیاہ تھے۔

قبولِ اِسلام کے زمانہ میں جو چالیس ہزار کا سرمایہ حضرت ابوبکر ﷺ کے پاس تھا وہ خدمت اِسلام میں صرف ہوتے ہوتے اب صرف پانچ ہزار رہ گیا تھا۔ ہجرت کے وقت وہ سب روپیہ اُنھوں نے ساتھ لے لیا۔ اہل وعیال سب کفار کے نرغے اور خدائے ذوالجلال کی پناہ پر چھوڑ دیے۔ ابوقحافہ نے جب اپنے بیٹے کی ہجرت کا حال سنا تو گھبرائے ہوئے آئے اور اپنی پوتی حضرت اسما رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ

"تیرا باپ ہجرت کر گیا اور سنا ہے روپیہ بھی سب ساتھ لے گیا۔"

اُنھوں نے یہ خیال کر کے کہ بوڑھے دادا کو زیادہ صدمہ نہ ہو، کہا:

"ابا! یہ بات نہیں ہے، وہ بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔"

ابوقحافہ کا سن اس وقت تراسی برس کا تھا، بینائی سے معذور تھے۔ حضرت اسما رضی اللہ عنہا نے اُس الماری میں جس میں روپیہ رہتا تھا، پتھر بھر کر کپڑا ڈال دیا اور دادا کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

"اس الماری میں دیکھو!"

اُنھوں نے ہاتھ سے کپڑا ٹٹولا اور کہا:

"خیر، اِتنا چھوڑ گیا ہے تو مضائقہ نہیں۔"

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل وعیال کو کس بے کسی اور خطرہ کی حالت میں چھوڑا تھا اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہوسکتا ہے۔ ہجرت کے بعد جب کفار اپنی ناکامی پر برافروختہ ہوئے تو ابوجہل مع چند آدمیوں کے ان کے گھر آیا اور حضرت اسما

رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

"تیرا باپ کہاں ہے؟

اُنھوں نے کہا:

"مجھ کو کچھ معلوم نہیں۔"

اُس پر طیش میں آ کر اس شقی نے ایک تھپڑ اُن کے منہ پر اِس زور سے مارا کہ کان سے آویزہ نکل کر دور جا پڑا۔

۱۲ ربیع الاول کو حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے رفیق کے مدینہ پہنچے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ اہل مدینہ نے چوں کہ عام طور پر جمال مبارک نہیں دیکھا تھا، اس لیے اِمتیاز نہ کر سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سے ہیں۔ ادب مانع سوال تھا، جب چہرۂ اقدس پر دھوپ آئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُٹھ کر چادر کا سایہ کیا، اس وقت پہچانا۔

مہاجرین کا گروہ مدینہ طیبہ میں محض بے خانماں تھا، ٹھہرنے کا ٹھکانہ تو کسی کا بھی نہ تھا۔ بہت سے بے سروسامان بھی تھے۔ جن کے پاس سرمایہ تھا وہ بھی دم لینے اور جائے قیام کے محتاج تھے، اہل مدینہ نے جس حوصلہ اور محبت کے ساتھ اپنے مہمانوں کا خیر مقدم کیا وہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے، انھی خدمات کے صلے میں "انصار" کا برگزیدہ لقب پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچنے کے بعد اپنے اصحاب میں مواخاۃ کا سلسلہ قائم کیا یعنی ایک کو دوسرے کا بھائی بنایا۔ یہ بھائی حقیقی بھائیوں سے بھی بڑھ کر ایک دوسرے کے ہم درد اور رفیق بن گئے۔ ایک انصاری [1] جب اپنے بھائی مہاجر کو عقد مواخاۃ کے بعد گھر لے گئے تو ان کو اپنے تمام مال و جائداد کا جائزہ دیا اور کہا:

"اِس میں سے نصف تمھارا ہے۔ میری دو بی بیاں ہیں، ایک کو طلاق دیتا ہوں، بعد عدت تم اس سے نکاح کر لینا۔"

ان کے بھائی مہاجر نے کہا کہ

1- انصار: مدینہ کے باشندے۔ مہاجر: جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تھے۔

"تمھارا مال و جائداد اور بی بیاں تم کو مبارک! مجھ کو ضرورت نہیں۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مواخاۃ حضرت خارجہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ سے قائم فرمائی گئی تھی، اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سنخ(1) میں قیام کیا۔

ہجرت سے وفات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک:

مدینہ پہنچ کر سات مہینے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر قیام فرمایا۔ پھر ایک موقع دس اشرفیوں سے خرید کر مسجد نبوی تعمیر کرائی۔ یہ اشرفیاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال سے دی گئیں۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے ان کے واسطے مسجد کے گرد مکانات تجویز کیے گئے۔ اسی سلسلہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مکان بھی مسجد کے متصل بنا جس کی ایک کھڑکی احاطہ مسجد کے اندر تھی۔ بنائے مسجد نبوی کے زمانہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ آدمی بھیج کر اہل و عیال کو طلب فرمایا۔ اسی قافلہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اہل و عیال مدینہ پہنچے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے بال بچے چندے بہ مقام سنخ رہے۔ جب مسجد کے پاس مکان تیار ہو گیا تو اس میں آ گئے۔ یہ مکانات کچی اینٹ کے تھے۔ ٹیٹوں کو مٹی سے لھیس کر علیحدہ علیحدہ حجرے بنا دیے جاتے تھے۔ چھت کھجور کی لکڑی اور پتوں سے پاٹی جاتی تھی اِس قدر بلند ہوتی تھی کہ آدمی ہاتھ اُٹھاتا تو چھت سے جا لگتا۔

ہجرت سے آغازِ خلافت صدیقی تک دس برس کا زمانہ سیرتِ نبوی کا زمانہ ہے اگر اس عہد کے کل واقعات مفصل لکھے جائیں تو ایک جزوِ اعظم سیرتِ رسالت کا بیان کرنا ہو گا جو اس رسالے کا موضوع نہیں۔ اگر بالکل چھوڑ دیے جائیں تو سیرتِ صدیقی کا ایک عظیم الشان حصہ ترک ہوتا ہے۔ اِس لیے مَیں بھی وہی مسلک اِختیار کرتا ہوں جو علامہ شبلی نے "الفاروق" میں اِختیار کیا ہے۔ یعنی واقعات کا مجمل بیان اور ان کے ضمن میں حالاتِ صدیقی کا خصوصیت سے اِظہار۔

1- سنخ: مدینہ کا ایک محلّہ تھا۔

غزوۂ بدر:

اوپر کے بیانات سے فی الجملہ اندازہ اُن مصائب اور تکالیف کا ہوتا ہے جو حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مشرکین مکہ کے ہاتھ سے پہنچی تھیں۔ نیز اس شانِ رضا وتسلیم کا جو ذاتِ اقدس اور مسلمانوں کی جانب سے عیاں ہوئی۔ اس زمانے میں کفار نے اپنی تمام کوشش اذیت اور تکلیف پہنچانے میں صرف کی تھی۔ مدینہ پہنچنے کے بعد اُنھوں نے نورِ اسلام کو آبِ شمشیر سے بجھانا چاہا۔ اس لیے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان و اِسلام کا اِظہار فرمایا اور قیامِ مدینہ میں غزوات کا ایک سلسلہ جاری رہا۔ تمام غزووں میں بدر کا غزوہ افضل واشرف ہے اور جو حضرات اِس غزوے میں شریک تھے وہ تمام مسلمانوں سے درجہ میں بڑھ کر ہیں۔

بدر ساحل سمندر کی جانب مدینے سے سات منزل دور ایک کنواں تھا۔ ہر سال تین دن وہاں میلہ لگتا تھا، یہ غزوہ چوں کہ اس موقعے پر ہوا، لہٰذا بدر کے نام سے مشہور ہے۔

۲ ھ میں مشرکین مکہ نے ایک بڑی جمعیت فراہم کی جس میں قریش کے تمام سردار اور چیدہ چیدہ آدمی شریک تھے اور حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے واسطے مدینہ کا قصد کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کفار کے اِرادہ کا حال معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسلمانوں کی فوج لے کر روانہ ہوئے اور بدر پہنچ کر مقام فرمایا۔ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تین سو تیرہ تھی ان میں ستتر مہاجرین تھے اور دو سو چھتیس انصار۔ تمام لشکر میں صرف ستر اونٹ اور تین گھوڑے تھے جن پر باری باری سے مجاہدین سوار ہوتے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت مرثد غنوی رضی اللہ عنہما کی سواری میں ایک اونٹ تھا۔

کفار کی جمعیت ایک ہزار تھی جن میں سو سوار تھے۔ میدانِ بدر میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکرِ اِسلام کی صفیں ترتیب دیں اور مسلمانوں کی قلت، بے سروسامانی اور کفار کی کثرت وشوکت دیکھی تو بارگاہِ الٰہی میں سر بہ سجود ہوئے اور غایت خضوع و

خشوع سے دُعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ انجز لِیْ مَا وَعَدْتَّنِیْ. اَللّٰھُمَّ اِنْ تُھْلِكَ ھٰذِہِ الْعِصَابَةَ مِنْ اَھْلِ الْاِسْلَامِ لَا تُعْبَدُ فِی الْاَرْضِ۔

"اے اللہ! تیرا جو وعدہ مجھ سے تھا وہ پورا فرما دے! اے اللہ! اگر تو اِس گروہِ اہلِ اِسلام کو ہلاک کر دے گا تو پھر سطحِ زمین پر تیری عبادت نہ ہوگی۔"

عالم یہ تھا کہ آپ ﷺ دُعا میں مصروف تھے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ردائے مبارک کو آپ ﷺ کے شانوں پر اُٹھائے ہوئے تھے۔ آخر دُعا درجہ اِجابت کو پہنچی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

كَفَاكَ يَا نَبِيَّ اللهِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ فناشدتك وَ رَبُّكَ فَاِنَّهٗ سَيَنْجِز لَكَ وَعْدَكَ.

"اے اللہ کے نبی! تم پر میرے باپ اور ماں فدا ہوں۔ بارگاہِ اِلٰہی میں آپ کی مناجات کام یاب ہوئی، جو آپ سے وعدہ تھا وہ عن قریب پورا فرمائے گا۔"

اِس پر حضرت سرورِ عالم ﷺ نے دُعا ختم فرما دی اور یہ کہتے ہوئے میدان میں تشریف لائے:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ.

"جماعت کفار کو عن قریب شکست دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔"

اِس واقعہ کی طرف اِشارہ ہے آیۂ پاک میں:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ:

"یاد کرو اُس دن کو جب کہ تم فریاد کرنے لگے تھے اپنے رب سے، پس

اُس نے قبول فرمائی تھی تمھاری دُعا کہ میں تم کو مدد دوں گا ہزار فرشتوں سے جو لگاتار آنے والے ہوں گے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک چھوٹا سا سائبان حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست کے واسطے میدانِ جنگ کے کنارے پر بنا دیا تھا۔ اُس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شمشیر برہنہ لیے حفاظت پر کمر بستہ۔ معرکہ کارزار گرم ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ ذاتِ خاص کفار پر حملہ فرمایا، تو سردارِ میمنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور سردارِ میسرہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمٰن اُس وقت تک کافر تھے اور لشکرِ مشرکین میں شامل۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اُن کو دیکھا تو طیش میں آ کر للکارا اور کہا:

اَیْنَ مَالِیْ یَا خَبِیْثُ!

"او پلید! میرے حقوق کیا ہوئے؟"

اُنھوں نے جواب دیا:

لَمْ یَبْقَ غَیْرُ شکۃٍ وَ یَعْبُوْبٍ وَ صَارِمٍ یَقْتُلُ ضَلَالَ الشَّیْبِ.

"صرف دستہ و تیر و سمند تیز گام باقی ہے اور گم راہی پیری کی قاتل تلوار۔"

اِسلام لانے کے بعد ایک بار حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے کہا کہ

"غزوۂ بدر میں ایک موقع پر آپ میری زد پر آ گئے تھے، لیکن مَیں نے بچا دیا۔"

یہ سن کر کہا کہ

"تو میری زد پر آ جاتا تو میں کبھی نہ چھوڑتا۔"

آخر کار مسلمانوں کو فتح اور مشرکوں کو شکست نصیب ہوئی۔ صنادید کفار اِس معرکہ میں قتل ہوئے، مثلاً ابوجہل، عتبہ، شیبہ۔

غزوۂ اُحد بہ ماہ رمضان ۳ ہجری بہ روز شنبہ:

غزوۂ بدر کے ایک سال بعد مشرکین مکہ ابوسفیان کے پاس جمع ہو کر گئے اور اُ

مقتول اعزہ کے انتقام میں مدد چاہی۔ ابو سفیان نے مقتولین بدر کے اِنتقام کا اِہتمام کیا۔ مالی مدد دی، قبائل میں نقیب بھیجے کہ جوش دِلا کر حضرت سرورِ عالم ﷺ کے مقابلے پر آمادہ کریں۔ الغرض تین ہزار پر جوش مشرکوں کا لشکر لے کر ابو سفیان روانہ ہوا۔ عورتیں بھی ساتھ تھیں تاکہ مردوں کو غیرت دِلا کر بھاگنے سے روکے رہیں۔ مدینہ کے قریب اُحد نامی اک پہاڑ ہے، یہ غزوہ اُس پہاڑ پر ہوا تھا، اِس لیے غزوۂ اُحد کے نام سے مشہور ہے۔

آں حضرت ﷺ حملہ کفار کی خبر سن کر مع ایک ہزار مسلمانوں کے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں عبداللہ بن اُبی سر گروہِ منافقین کی دراندازی سے لشکرِ اِسلام میں تفرقہ پڑ گیا۔ ایک ثلث آدمی منافق مذکور کے ساتھ واپس چلے گئے اور مسلمانوں کی جمعیت کم ہو کر سات سو رہ گئی۔

میدانِ اُحد میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کی پشت پر جو راستہ تھا اُس پر حضرت سرورِ عالم ﷺ نے تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین فرما کر ہدایت کی کہ بدوں حکم اپنی جگہ سے کسی حالت میں جنبش نہ کریں۔ مقابلہ شروع ہوا، مشرکین کی عورتیں صفوں کی پشت پر ڈھول بجا بجا کر جوش انگیز اشعار گاتی جاتی تھیں۔

بڑے زور کا رن پڑا، مسلمانوں کے حملہ ہائے مردانہ نے لشکرِ کفار کی صفیں اُلٹ دیں اور جمعیتِ کفر میں تفرقہ ڈال دیا۔ تیر اندازوں کے دستے نے دشمنوں کی ہزیمت دیکھی تو اپنی جگہ چھوڑ کر مشرکوں کے خیمے لوٹنے لگے۔ اِس سے مسلمانوں کی فوج کا پیچھا کھل گیا۔

اِسی عرصے میں کسی نے مشہور کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ مقتول ہو گئے۔ کفار نے اِس موقعے کو غنیمت خیال کر کے اپنی جمعیت پھر قائم کی اور دوبارہ بڑے زور کا حملہ کر کے مسلمانوں کے لشکر کے اندر گھس آئے۔ لشکر اسلام میں تفرقہ شدید پڑ گیا۔ کافروں کی ایک جماعت خود آں حضرت ﷺ کے پاس جا پہنچی۔ ایک نے لب مبارک پر پتھر

مارا جس کے صدمے سے ہونٹ شق ہو کر ایک دانت ٹوٹ گیا، دوسرے نے پیشانی اقدس پر، تیسرے نے چہرۂ منور پر۔ اِن متواتر زخموں کی وجہ سے چہرۂ مبارک پر خون بہ کثرت بہنے لگا۔ آپ ﷺ خون پونچھتے اور فرماتے:

كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ خضبوا وَجهَ نَبِيِّهِمْ وَ هُوَ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ.

''وہ قوم کس طرح فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون سے رنگین کر دیا حالاں کہ وہ اُن کو اُن کے رب کی طرف بلاتا ہے۔''

اِسی حالت میں کفار نے ریلا دیا اور آپ ﷺ زخموں کے صدمے سے بے ہوش ہو کر ایک غار میں گر گئے جس میں مسلمان شہدا کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ جب جمال مبارک نگاہ سے دور ہو گیا تو مسلمانوں کی پریشانی و آشفتگی کی اِنتہا نہ رہی اور فرطِ اِضطراب میں ہر طرف پھرنے لگے۔ بالآخر سنبھلے اور اُس مقام پر آئے جہاں آپ ﷺ تھے۔ محدثِ مشہور حاکم کا قول ہے کہ سب سے اوّل اُس موقع پر پہنچ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت سرور عالم ﷺ کو پہچانا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دست مبارک پکڑا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے سہارا دیا اور آپ ﷺ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ خَود کی جو کڑیاں پتھروں کے صدمے سے چہرۂ اقدس میں گھس گئی تھیں ان کو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے دانتوں سے پکڑ پکڑ کر نکالا جس کے صدمے سے خود ان کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے چہرۂ مبارک سے خون صاف کیا۔ اُس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بے تاب ہو کر عرض کی کہ

''یارسول اللہ! کفار کے حق میں بددعا کیجیے!''

فرمایا کہ

''میں بددعا کے واسطے نہیں بھیجا گیا۔''

اور دُعا فرمائی:

''اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے! وہ سمجھتے نہیں۔''

اسی عرصے میں کفار کی ایک جماعت پھر آپ ﷺ کی طرف بڑھی، حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ نے پانچ انصار کو ساتھ لے کر جواں مردی سے روکا اور مع رُفقا اسی موقع پر شہید ہو گئے۔ جب زیادہ زخموں سے چُور ہو کر گرے تو حضرت سرورِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

''ان کو اُٹھا کر میرے پاس لاؤ!''

آئے تو پائے مبارک پر اُن کا سر رکھ لیا اور اس جاں نثار نے اِس حالت میں جان دی کہ رُخسارہ قدم مبارک پر رکھا ہوا تھا۔ رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ سپر بن کر حضرت سرورِ عالم ﷺ پر جھک گئے تھے اور حضرت سعد اِبن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس کھڑے ہوئے کفار پر تیر برسا رہے تھے۔

خلاصہ یہ کہ اس کوشش اور جاں فشانی سے کفار کو مسلمانوں نے ذاتِ گرامی کے حملوں سے روکا۔ اسی وقفے میں باقی مسلمانوں نے سنبھل کر جمعیت پھر قائم کی اور کفار پر حملہ آور ہوئے۔ حضرت سرورِ عالم ﷺ درّہ کوہ کے اُوپر تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہم ہم راہ تھے۔ یہاں خالد بن ولید نے اپنے سواروں کی جمعیت سے آپ ﷺ پر حملہ کرنا چاہا۔ آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اور اُنھوں نے کفار کو مار ہٹایا۔ جب مشرکین نے دیکھا کہ آپ ﷺ حیات ہیں اور مسلمان خدمت میں کمربستہ و مستعد، تو اُن کے حوصلے پست ہو گئے اور میدان چھوڑ کر بھاگے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عم رسول اسی غزوہ میں شہید ہوئے۔

آغازِ معرکہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمٰن نے میدان میں آکر اپنے مقابلے کے واسطے حریف طلب کیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خود ان کے مقابلے پر آمادہ ہوئے، تلوار میان سے نکالی اور آپ ﷺ سے میدان میں جانے کی اِجازت

طلب کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ثم سیفك و امتعنا بك.

"تلوار میان میں کرو اور ہم کو اپنی ذات سے متمتع ہونے دو!"

بعد ہزیمت کفار ستر سپاہی لشکر اِسلام کے ان کے تعاقب میں مامور ہوئے، من جملہ ان کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

غزوۂ خندق؛ شوال ۵ھ:

بدر اور اُحد کی ناکامی و ہزیمت کے بعد کفارِ مکہ میں تو حملہ آوری کی ہمت نہ رہی تھی، مگر اسی زمانہ میں ایک اور دُشمن اِسلام پیدا ہو گیا تھا یعنی یہود۔ مدینہ اور نواحِ مدینہ میں یہودی کثرت سے آباد و آسودہ تھے۔ حضرت سرورِ عالم ﷺ اور دِین اِسلام کو اُنھوں نے اپنا بیخ کن خیال کر کے مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ یہ لوگ خود تو مردِ میدان نہ تھے، لیکن سازش وفساد کا پورا ملکہ رکھتے تھے۔ اہل مکہ کے پاس وفد بھیج کر پھر مخالفت پر آمادہ کیا۔ اہل مکہ سے مطمئن ہونے کے بعد وفد نے قبائل میں دورہ کر کے ہر جگہ جوشِ جنگ تازہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دس ہزار نبرد آزما دشمنانِ اِسلام پھر آمادہ ہو گئے۔

حضرت سرورِ عالم ﷺ کو جب اِس مہم کی اِطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حفاظت کے لیے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا اِہتمام فرمایا، خود بہ نفس نفیس خندق کھودنے میں شرکت فرماتے تھے۔ مسلمانوں نے اس محنت و جاں فشانی سے کام کیا کہ لشکر کفار کے مدینہ پہنچنے سے پہلے پہلے خندق کھد کر تیار ہو گئی۔

مشرکین کی فوج دس ہزار تھی، مسلمانوں کی تین ہزار۔ موسم نہایت سرد تھا، سامانِ رسد قلیل۔ باوجود اِن تمام مشکلات کے اہل اِیمان نے مردانہ وار مقابلہ کیا اور برابر ثابت قدم رہے۔ دُشمنوں نے ایک مہینے تک محاصرہ رکھا اور متواتر حملے کیے، لیکن ہر مرتبے زَک اُٹھائی۔ لشکر اِسلام کا ایک دستہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ماتحت خندق کے ایک حصے کی حفاظت پر مامور تھا۔

اِس موقع پر بعد کو مسجد بنادی گئی جو مسجد صدیق کے نام سے مشہور اور شاہ ولی اللہ صاحب کے زمانہ تک موجود تھی۔

حدیبیہ(1): ذی قعدہ ۶ ہجری:

ذِی قعدہ ۶ ہجری میں حضرت سرورِ عالم ﷺ ادائے عمرہ کے واسطے مکہ کو روانہ ہوئے۔ احرام باندھے ہوئے تھے، قربانی کے جانور ہم راہ تھے۔ آپ ﷺ نے اس امر کا اِعلان اچھی طرح فرمایا تھا کہ

"مقصود صرف زیارتِ بیت اللہ ہے نہ مخالفت یا مخاصمت۔"

مہاجرین، انصار اور قبائل کے چودہ سو آدمی ہم رکاب تھے۔ اثنائے سفر میں یہ اِطلاع ملی کہ قریش راستہ روکے ہوئے ہیں اور باہم یہ عہد کر چکے ہیں کہ آپ ﷺ کو مکہ میں نہ داخل ہونے دیں گے۔ آپ ﷺ نے یہ حال سن کر وہ راستہ چھوڑ دیا اور دوسرے راستہ سے ایک منزل طے فرما کر بہ مقام حدیبیہ قیام فرمایا۔ بعد قیام حسب عادت آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا۔ بعد مشورہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پسند فرمائی گئی۔

اِس مقام پر قریشیوں کے متعدد ایلچی حاضر ہوئے اور آپ ﷺ نے سب کو اِطمینان دلایا کہ محض زیارتِ کعبہ کا ارادہ ہے، کوئی نزاع یا مخالفت پیش نظر نہیں۔ ایلچی اہل مکہ کو آپ ﷺ کی جانب سے مطمئن کرتے تھے، مگر قریشیوں کا شک کسی طرح رفع نہ ہوا۔ آخر عروہ بن مسعود قریش کی طرف سے ایلچی ہو کر آیا اور اُس نے اہل مکہ کا عزم و اہتمامِ جنگ نہایت شد و مد کے ساتھ بیان کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اُس وقت حاضر تھے۔ عروہ کی لن ترانی سن کر ضبط نہ کر سکے اور کہا:

"لات وعزّیٰ کے پوجنے والے مشرکوں کا یہ اِہتمام ہے، تو کیا ہم رسول اللہ ﷺ کی مدد سے منہ موڑ لیں گے!!"

1- حدیبیہ: مکہ سے ایک منزل فاصلہ پر چھوٹا سا گاؤں تھا۔

عروہ نے پوچھا:

"یہ کون ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِبن ابی قحافہ۔"

عروہ نے کہا کہ

"اگر ابوبکر کے اِحسان مجھ پر نہ ہوتے تو مَیں اس کا جواب دیتا، لیکن مَیں ان کے اِحسانوں کا خیال کر کے درگزر کرتا ہوں۔"

جب اُدھر کے ایلچیوں کو کام یابی نہ ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنا ایلچی خاص سواری کے اونٹ پر بھیجا۔ اُس کے ساتھ یہ سلوک ہوا کہ اونٹ کے پاؤں قلم کر دیے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ جب اُنھوں نے پیامِ رسالت ابوسفیان وغیرہ اعیانِ قریش سے بیان کیا تو جواب دیا کہ

"تم کو طوافِ بیت اللہ کی اِجازت ہے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

"جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ فرمائیں مَیں طواف نہیں کر سکتا۔"

طیش میں آ کر قریش نے اُن کو نظر بند کر دیا۔ لشکرِ اِسلام میں خبر پہنچی کہ عثمان قتل کر دیے گئے۔ یہ سُن کر حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ

"اب جب تک عثمان کے خون کا بدلہ نہ لیا جائے، معاودت ممکن نہیں۔"

چناں چہ تمام مسلمانوں کو جمع فرمایا اور ان سے مقابلہ دشمن کی بیعت لی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے زیرِ سایہ کھڑے تھے۔ ایک ایک مسلمان آتا تھا اور دستِ مبارک پکڑ کر اِقرار کرتا تھا کہ جب تک تن میں جان ہے دُشمن کے مقابلے سے منھ (1) نہ موڑوں گا۔ یہ بیعت تاریخِ اِسلام میں "بیعت الرضوان" کے نام سے مشہور

1- الفاظِ بیعت میں اِختلافِ روایت ہے، بعض نے موت لکھا ہے، بعض نے عدمِ فرار۔

ہے اور اسی کی نسبت کلام مجید میں اِرشاد ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔

”یہ بات تحقیق ہے کہ اللہ مومنوں سے خوش ہوا جس وقت کہ تجھ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔“

چوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غیر حاضر تھے، اِس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ میں لے کر اُن کی جانب سے بیعت کی۔

بعد بیعت معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر غلط تھی۔ اُدھر مسلمانوں کے یہ عزم دیکھ کر قریشیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور سہیل نامی قاصد کے زبانی یہ پیام بھیجا کہ

”اِس سال مسلمان واپس جائیں، آئندہ سال داخلہ مکہ اور زیارتِ بیت اللہ کی اجازت دی جائے گی۔ اب اگر مسلمان داخل مکہ ہوئے تو ہم کو اندیشہ ہے کہ عرب خیال کریں گے کہ قریش مسلمانوں سے دب گئے۔“

طویل مباحثے کے بعد شرائط صلح طے ہوئیں اور معاہدہ قلم بند ہونے لگا۔ شرائط صلح سے بہ ظاہر کفار کی کام یابی ثابت ہوتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اِس سے اِضطراب ہوا اور وہ جھپٹ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور فاروقی لہجے میں اپنا خیال ظاہر کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سن کر جواب دیا:

اِلْزَمْ غَرْزَهٗ۔

”آپ کی رکاب تھامے رہو!“

اِس سے بھی اِطمینان نہ ہوا، تو فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا خیال خود حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

”مَیں وحی ربانی کے مطابق عمل کر رہا ہوں۔“

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔

الغرض حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاہدہ تحریر فرمایا۔ بعد تکمیل مسلمانوں کی جانب سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دست خط ہوئے۔ بعد معاہدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مقام پر ارکانِ عمرہ ادا فرما کر مدینہ کو مراجعت کی۔ راستہ میں سورۃ الفتح نازل ہوئی جس میں صلح حدیبیہ کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا ہے۔

اِمام زہری کا قول ہے کہ اِسلام میں اِس سے پہلے کوئی فتح واقعہ حدیبیہ سے بڑھ کر نہیں ہوئی تھی۔ اب تک مسلمان اور کافر جہاں ملتے تھے، لڑنے کے واسطے، اب صلح کی وجہ سے آشتی کے ساتھ ملنے لگے اور کافروں کو احکامِ اِسلام بہ اِطمینان سننے کا موقع ملا، نتیجہ یہ ہوا کہ جو ذرا بھی دانش مند تھے، مسلمان ہو گئے اور صلح حدیبیہ کے بعد دو سال کے عرصہ میں اِس قدر مسلمان ہوئے جس قدر اُس سے پہلے ۱۹ برس کے زمانے میں ہوئے تھے، بل کہ اُس سے بھی زیادہ۔

اِبن ہشام کا مقولہ ہے کہ اِمام زہری کے قول کی دلیل یہ ہے کہ حدیبیہ میں چودہ سو آدمی حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اِس کے دو سال ہی کے بعد فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار تھے۔

خیبر، محرم ۷ ہجری:

حدیبیہ سے مراجعت فرمانے کے بعد حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ سے زائد مدینہ میں قیام فرمایا اور آخر محرم میں یہودیوں کا فتنہ فرو کرنے کے اِرادہ سے خیبر کو تشریف لے گئے۔ خیبر بہت سے قلعوں کا مجموعہ اور یہودیوں کا ملجا و ماویٰ تھا۔ یہودی قلعہ بند ہو کر لڑے اور مختلف قلعوں پر معرکے رہے۔

لشکرِ اِسلام کا بڑا سفید نشان حضرت شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا۔ ایک قلعہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امیر لشکر مقرر ہو کر گئے، مگر فتح نہ ہوا، دوسرے روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا، وہ بھی کام یاب نہ ہوئے، تیسرے روز حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"آج مَیں ایسے شخص کو امیر لشکر بنا کر نشان دوں گا جو خدا اور اُس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور جو بھاگنے والا نہیں، اس کے ہاتھ سے قلعہ فتح ہوگا۔"

چناں چہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نشان ملا اور حملہ حیدری سے قلعہ سر ہو گیا۔ خیبر صفر ۷ ہجری میں فتح ہوا۔

فتح مکہ، رمضان ۸ ہجری:

جو معاہدہ صلح حدیبیہ میں ہوا تھا کفارِ قریش نے جلد توڑ ڈالا۔ قبیلہ خزاعہ پر جو مسلمانوں کا حلیف (ہم پیمان) تھا، قبیلہ بنو بکر نے حملہ کیا۔ یہ قبیلہ قریش کا حلیف تھا۔ خلاف شرائط معاہدہ قریش نے اپنے میل والوں کو مدد دی، اِنتہا یہ کہ قبیلہ خزاعہ کو جوارِ کعبہ میں بھی پناہ نہ ملی اور حرم کے اندر قتل کیے گئے۔ آخر اُنھوں نے اپنا قاصد فریاد لے کر بارگاہِ رسالت میں بھیجا۔

جس وقت ابن سالم ان کا ایلچی حاضر خدمت ہوا حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں رونق افروز تھے۔ ابن سالم نے ایک دردناک نظم پڑھی جس میں مدد کی اِلتجا تھی اور قبیلہ خزاعہ کی مصیبت کی تشریح۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا کہ

"تم کو مدد ملے گی۔"

اسی عرصے میں دوسرا وفد طلب مدد کے واسطے حاضر ہوا۔ دس ویں رمضان المبارک کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مع دس ہزار لشکر کے مکہ کی طرف کوچ فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگ وار حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا اندازہ کر لیا تھا کہ اگر کفار نے لشکر اِسلام کا مقابلہ کیا تو کیا مصیبت نازل ہو گی، اس لیے آگے بڑھ کر قریش کی اِطاعت کا پیام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جو منظور ہوا اور سب کی جاں بخشی کا اِعلان فرما دیا گیا۔ چند مشرک جو اِسلام کے شدید دُشمن تھے، اماں سے محروم رہے۔ اُن کا نام لے کر فرما دیا گیا کہ

"اگر کعبہ کے پردوں میں بھی لپٹے ہوئے ملیں تو قتل کر دیے جائیں!"

اِس موقع پر خیال کرنا چاہیے کہ یہ وہ اہل مکہ تھے جنھوں نے تیرہ برس تک اِنتہائی سفا کی اور ظلم کے ساتھ آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو اذیتیں پہنچائی تھیں، وطن سے بے وطن کیا، مدینہ میں بھی برسوں چین سے نہیں بیٹھنے دیا، آج جب دس ہزار جاں نثار ہم رکاب ہیں، مکہ کے فتح ہونے اور کفار کو سزائے کردار ملنے کا وقت آتا ہے تو رحمت کا ظہور ہوتا ہے اور بے دریغ دولت امن وامان لٹائی جاتی ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ جو اپنے دروازے بند کر کے گھروں میں بیٹھ جائیں محفوظ، جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لیں اُن کا خون معاف!!

ذرا سوچو! ابوسفیان کس کا نام تھا! جن لوگوں کی نسبت یہ عتاب تھا کہ خانہ کعبہ کے پردے بھی ان کو امان و پناہ نہ دیں ان کی بھی سفارشیں ہوئی ہیں اور خطا معاف ہو جاتی ہے۔

اِس واقعہ عظیم کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھو کہ یورپ کے منصف مزاج مصنف نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی تصویر ایک ایسے خوں خوار شخص کی شکل میں پیش کرتے ہیں جو جوشِ اِنتقام میں بے خود ہو۔

فتح مکہ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے والد ابوقحافہ کو حضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں لائے تا کہ اُن کو تلقین اِسلام فرمائیں۔ آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا کہ

"ابوبکر! تم نے شیخ (بڑے میاں) کو مکان پر رہنے دیا ہوتا، مَیں خود اُن کے پاس چلتا۔"

عرض کی:

"یارسول اللہ! انھی کو آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے تھا۔"

آپ ﷺ نے ابوقحافہ کو سامنے بٹھایا اور سینہ پر دست مبارک پھیر کر فرمایا:

اَسْلِمْ.

"اِسلام لے آؤ"

ابو قحافہ نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔

حنین (1):

فتح مکہ نے قریش کی مخالفت کا تو خاتمہ کر دیا اور وہ ہمیشہ کے واسطے اسلام کے حلقہ بہ گوش ہو گئے۔ لیکن نواحِ مکہ میں ہنوز جوشِ مخاصمت برپا تھا۔ قبیلہ ہوازن کے سردار مالک بن عوف نے اپنے قبیلہ کو جمع کیا۔ ہوازن کے حلیف ثقیف وغیرہ قبائل بھی فراہم ہوئے اور سب نے مل کر حضرت سرورِ عالم ﷺ کے مقابلے کا عہد کیا۔ دُرید نے (جو ایک اہل الرائے سن رسیدہ شخص تھا) مالک کو بہت سمجھایا کہ مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیے، مگر مطلق اثر نہ ہوا۔

جب آپ ﷺ کو ان قبائل کے ارادہ کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت عبد اللہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو دریافت حال کے واسطے بھیجا۔ اُنھوں نے واپس آ کر بیان کیا کہ قبائل ہوازن وغیرہ پوری طرح آمادۂ پیکار ہیں۔ یہ سن کر آں حضرت ﷺ نے مکہ سے کوچ کا حکم دیا۔ علاوہ ان دس ہزار آدمیوں کے جو مدینہ سے آئے تھے دو ہزار اہل مکہ بھی ساتھ ہوئے۔ اِس طرح بارہ ہزار آدمیوں کی جمعیت رکابِ سعادت میں تھی۔

وادیِ حنین میں مقابلہ ہوا۔ قبائل کے لشکر مخالف کے عزم و ثبات کا یہ عالم تھا کہ ایک دیوارِ آہنیں معلوم ہوتا تھا۔ معرکہ کارزار گرم ہوا، مسلمانوں کے قدم اوّل ہی حملے میں اُکھڑ گئے۔ حضرت سرورِ عالم ﷺ نے اہل اسلام کی جمعیت قائم کرنے کی کوشش فرمائی، لیکن تفرقہ نہ ہٹ سکا۔ اُس وقت آپ ﷺ کی خدمت میں صرف چند مہاجرین و انصار حاضر تھے، باقی تمام لشکر متفرق ہو گیا تھا۔ من جملہ حاضرین حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ اہل بیت میں سے حضرت علی، حضرت عباس، حضرت فضل بن عباس، حضرت اُسامہ بن زید اور آں حضرت ﷺ کی کھلائی حضرت اُمّ ایمن کے بیٹے حضرت ایمن (جو اسی روز شہید ہوئے) رضی اللہ عنہم حاضر تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ

1- حنین: ایک وادی مکہ سے تین میل ہے۔

ﷺ کے سفید خچر کی باگ تھامے ہوئے تھے۔ وہ نہایت جسیم اور بلند آواز تھے۔ حضرت سرورِ عالم ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ بہ آوازِ بلند پکارو:

یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَار ! یَا مَعْشَرَ اَصْحَابِ سمرہ!

اِس ندا کے سامنے سارے تفرقہ اور ابتری نے سپر ڈال دی۔ اِدھر عم رسول نے بہ آوازِ بلند پکارا: یا معشر الانصار یا معشر اصحاب سمرہ اُدھر لبیک لبیک کی صدا سے جنگل گونج اُٹھا۔ گلہ نے اپنے راعی کی آواز پہچان لی۔ اب بے تابی کا یہ عالم ہے کہ اونٹ قابو میں نہ آئے تو سب نے آہنی زرہیں اُتار اُتار کر ان کی گردنوں پر ڈال دیں، ہلکے ہو ہو کر کودے اور شمشیر بہ کف پروانہ وار شمع رسالت (روحی فداہ) کے گرد جمع ہو گئے۔ جس وقت سو آدمی فراہم ہو گئے، ہلہ کا حکم دیا گیا۔ ان کی جان بازی دیکھ کر رسول اللہ ﷺ مسرور ہوئے اور فرمایا کہ

''اب معرکہ کارزار میں گرمی آئی۔''

حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری نے مل کر دشمن کے نشان بردار پر حملہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اونٹ کے پاؤں کاٹ دیے۔ وہ گرا تو انصاری نے ایک ہاتھ میں سوار کا کام تمام کر دیا۔ اِسی عرصے میں مسلمانوں کی جمعیت زیادہ ہو گئی اور میدان اعدا سے جیت لیا۔ جب لشکر کا آخری حصہ لوٹ کر میدان میں آیا تو اُس نے دیکھا کہ قیدی مشکیں کسے میدان میں پڑے تھے۔

تبوک (1)؛ رجب ۹ ہجری:

اِسلام کی آب وتاب اب دور دور تک نگاہوں کو خیرہ کرنے لگی اور کفر کے حلقوں میں تہلکہ بڑھتا گیا۔ پرخاش اور مخالفت کا دائرہ عرب اور یہود سے گزر کر روم تک جا پہنچا۔ اِسی سلسلے میں فتح مکہ سے پہلے حضرت سرورِ عالم ﷺ نے ایک مہم رومیوں کے مقابلہ پر روانہ فرمائی جو سیرت میں غزوۂ موتہ کے نام سے مشہور ہے۔ اِسی معرکے میں

1- تبوک: شام کا سرحدی شہر، مدینہ سے تقریباً ڈیڑھ سو میل ہے۔

حضرت جعفر طیار اور حضرت زید بن حارثہ شہید ہوئے۔ (رضی اللہ عنہما)

اب مدینہ خبر پہنچی کہ خود ہرقل روم بہ اتفاقِ نصارائے عرب حملہ پر آمادہ ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس شر کے دفع کرنے کی تیاریاں شروع فرمائیں۔ یہ مہم ایک بڑی سلطنت کے مقابلے پر تھی اور منزل دور و دراز عرب میں قحط پڑا ہوا تھا۔ اسی مناسبت سے اس غزوہ کا نام جیش العسرۃ (مصیبت کا لشکر) ہے۔ سب پر طرہ یہ کہ موسم کھجوروں کے پختہ ہونے کا تھا۔ اِس موسم میں اہل مدینہ باہر نہیں جاتے تھے، باغوں میں درختوں کے نیچے کھجوریں جمع کرتے، احباب کے ساتھ مل کر کھاتے کھلاتے۔ ان اسباب سے منافقین نے خوب نفع اُٹھایا اور دِل کھول کر مسلمانوں میں تفرقہ اور مہم میں خلل ڈالا۔

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان دولت مندوں کو تیاری لشکر میں مدد دینے کی ترغیب فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود بیان کیا ہے کہ جس وقت لشکر تبوک کے انفاق (چندہ) کا اِرشاد ہوا اُس وقت مَیں خوب مال دار تھا۔ مَیں نے دِل میں کہا کہ اگر ابوبکر سے آگے بڑھ سکتا ہوں تو وہ یہی موقع ہے۔ گھر گیا اور بہت سا مال لاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ فرمایا:

"عمر! بال بچوں کے واسطے کیا چھوڑا؟"

جواب دیا:

"اِسی قدر۔"

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا انفاق (چندہ) پیش کیا۔ اِستفسار ہوا:

"ابوبکر! بال بچوں کے لیے کیا رکھا؟"

عرض کی:

اَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ۔

"اُن کے واسطے اللہ اور اُس کا رسول رکھ لیا ہے۔" (یعنی مال ظاہری کچھ

نہیں چھوڑا)

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مَیں ابو بکر سے کبھی بازی نہیں لے جا سکتا۔

لشکر تبوک کے جائزہ اور اِمامت کا منصب اور بڑا نشان حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا۔ فوج کی تعداد تیس ہزار تھی۔ تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ دُشمن نے اپنے مقام سے جنبش نہیں کی۔ یوحنا حاکم ایلیا[1] نے حاضر ہو کر صلح کی درخواست کی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمانِ صلح عطا فرمایا اور مع الخیر مدینہ کو معاودت فرمائی۔

حج ۹ ہجری:

ذی حجہ ۹ ہجری میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ حج مکہ کو روانہ فرمایا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ امیر حج مقرر ہوئے۔ اِسلام میں یہ پہلے امیر حج ہیں۔ بیس جانور قربانی کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اور پانچ خود اُن کے ہم راہ تھے۔ تین سو آدمیوں کا قافلہ تھا۔ اِس سال مومن و مشرک دونوں نے حج ادا کیا، اُس کے بعد مشرکوں کے واسطے داخلہ حرم ممنوع ہو گیا۔ اِسی حج کے زمانے میں سورہ براءت کی تبلیغ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بہ آواز بلند متواتر من جانب حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائی۔

وفاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری:

۱۰ ھ میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا فرمایا، چوں کہ یہ حج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج تھا اور خطبے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا تھا، اِس لیے اِس کا لقب حجۃ الوداع ہے۔

معاودت فرمانے کے بعد مزاج اقدس ناساز ہوا۔ آخر صفر یا شروع ربیع الاوّل میں علالت وفات کی اِبتدا ہوئی۔ ایک روز نصف شب کے وقت آپ گورستانِ بقیع کو (جہاں آپ کے رُفقا دفن ہیں) تشریف لے گئے۔ ابو مویہبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام سے

1- ایلیا: شہر بیت المقدس

روایت ہے کہ اُس شب کو مجھ کو یاد فرما کر اِرشاد کیا کہ

''اہل بقیع کے واسطے دُعاے مغفرت کرنے کا حکم مجھ کو ہوا ہے، تم ہم راہ چلو!''

چناں چہ مَیں ساتھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور کے وسط میں قیام فرما کر کہا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْمَقَابِرْ لِیَھْنِی لَکُمْ مَا اَصْبَحْتُمْ فِیْہِ مِمَّا اَصْبَحَ النَّاسُ فِیْہِ اقبلت الْفِتَنُ کَقِطَعِ اللَّیْلِ الْمُظْلِمِ تَبْلَغُ اٰخِرُھَا اَوَّلَھَا الْاٰخِرَۃُ شَرٌّ مِنَ الْاُوْلٰی۔

''اے بقیع کے قبروں میں سونے والو! تم جس حال میں ہو وہ بہت اچھا ہے اُس حال سے جس میں زندہ انسان ہیں۔ تاریک رات کے حصوں کی طرح فتنے چلے آ رہے ہیں، پچھلا فتنہ اگلے کو نگلے لیتا ہے اور اگلے سے پچھلا بدتر ہے۔

اِس کے بعد میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

''اے ابومویہبہ! میرے سامنے دنیا کا ابدی قیام اس کے خزانوں کی کنجیاں اور جنت پیش کی گئی۔ مَیں نے اپنے رب کے دیدار اور جنت کو اِنتخاب کر لیا۔''

مَیں نے کہا:

''میرے ماں باپ آپ پر قربان! دنیا کے خزانوں کی کنجیاں اور یہاں کا ابدی قیام پسند فرما لیجیے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں، مَیں لقاے ربانی اور جنت پسند کر چکا۔''

یہ فرما کر اہل بقیع کی مغفرت کی دعا کی اور دولت خانہ کو واپس تشریف لے آئے۔ حجرے میں پہنچے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سر میں درد تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرے سر میں بھی درد ہے۔''

یہ ہی آغازِ مرض تھا جو رفتہ رفتہ بڑھتا گیا۔ دورانِ مرض میں بھی حسبِ معمول آپ ﷺ باری باری سے ازواجِ مطہرات کے یہاں قیام فرماتے رہے۔ جب مرض کی زیادہ شدت ہوئی تو سب بی بیوں کو جمع فرما کر ایامِ مرض میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں قیام کی اجازت حاصل کی۔ بعد اجازت حضرت علی اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کے شانوں پر دستِ مبارک رکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لے آئے۔ سر بندھا ہوا تھا اور پاؤں فرطِ ضعف سے زمین پر کھنچتے جاتے تھے۔

زمانۂ علالت میں ایک روز مسجد میں تشریف لائے، منبر پر بیٹھ کر اوّل شہدائے اُحد کے واسطے دُعائے مغفرت کی۔ اس کے بعد فرمایا:

اِنَّ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ خَيَّرَهُ اللّٰهُ بَيْنَ الدُّنْيَا وَ بَيْنَ مَا عِنْدَهٗ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ.

یعنی اللہ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ دُنیا اور قربِ الٰہی میں سے جسے چاہے پسند کرلے اس نے اللہ کے قرب کو پسند کرلیا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فراستِ ایمانی سے اِس قول کی تہ کو پہنچ گئے، رونے لگے اور کہا:

بَلْ نَفْدِيْكَ بِاَنْفُسِنَا وَ اٰبَاءِ نَا.

"نہیں، بلکہ ہم اپنی جانیں اور اپنے باپ آپ پر سے قربان کردیں گے۔"

آپ ﷺ نے سن کر اِرشاد فرمایا:

عَلٰى رِسْلِكَ يَا اَبَا بَكْرٍ!

"ابو بکر! سنبھلو!"

پھر اِرشاد فرمایا کہ

"جس قدر مکانوں کے دروازے صحن مسجد میں ہیں، وہ سب بند کر دیے جائیں، مگر ابو بکر کے گھر کا دروازہ بہ دستور رہے۔"

یہ کہہ کر فرمایا:

فَاِنِّیْ لَا اَعْلَمُ اَحَدًا کَانَ اَفْضَلَ فِی الصُّحْبَۃِ عِنْدِیْ یَدًا مِنْہُ فَاِنِّیْ لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا وَ لٰکِنْ صحبۃ و اخاء ایمان حَتّٰی یَجْمَعَ اللّٰہُ بَیْنَنَا عِنْدَہٗ.

"میں کسی کو نہیں جانتا جو میرے نزدیک رفاقت میں بہ اعتبارِ احسانات کے ابوبکر سے افضل ہو۔ پس اگر میں کسی کو قلبی دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر کو بناتا، مگر یہ صرف رفاقت اور اخوت ایمانی ہے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ہم کو اپنے پاس جمع کر لے۔"

اس کے بعد مہاجرین کو تاکید فرمائی کہ انصار کے حقوق کا لحاظ رکھیں۔ جب مرض کو اور زیادہ شدت ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"ابوبکر سے کہو نماز کی امامت کریں!"

یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ

رَجُلٌ رَقِیْقٌ ضَعِیْفُ الصَّوْتِ کَثِیْرُ الْبُکَاءِ اِذَا قَرَأَ الْقُرْاٰنَ.

"وہ ایک نرم دل، کم زور آواز کے آدمی ہیں، جب قرآن پڑھتے ہیں تو بہت روتے ہیں۔"

مطلب یہ تھا کہ امامت کا بار نہ اُٹھا سکیں گے۔ حضرت سرورِ عالم ﷺ نے جھڑک کر دوبارہ حکم فرمایا۔ چناں چہ پنج شنبہ کی عشا کی وقت سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے امامت شروع کی اور اس طرح سترہ نمازیں حیات مبارک میں پڑھائیں۔

دوشنبہ کو نمازِ صبح کے وقت حضرت سرورِ عالم ﷺ پردہ اُٹھا کر باہر تشریف لائے۔ دردِ سر کی شدت کی وجہ سے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت اور نماز دیکھ کر چہرۂ مبارک فرطِ مسرت سے دمکنے لگا۔ آپ ﷺ آگے بڑھے، تو لوگوں نے راستہ دے دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ آں حضرت ﷺ تشریف لاتے ہیں۔ پیچھے ہٹنے لگے۔ آپ ﷺ نے پیٹھ پر ہاتھ

مار کر فرمایا:

صَلِّ بِالنَّاسِ. (نماز پڑھاؤ!)

خود آں حضرت ﷺ اُن کی دائیں جانب بیٹھ گئے اور نماز پڑھنے لگے۔ بعد نماز بہ آوازِ بلند (جو مسجد کے باہر تک جاتی تھی) وعظ اِرشاد فرمایا۔ اُس میں یہ جملے بھی تھے:

اَيُّهَا النَّاسُ سُعِّرَتِ النَّارُ وَ اَقْبَلَتِ الْفِتَنُ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ وَ اِنِّيْ وَاللّٰهِ مَا تُمَسِّكُوْنَ عَلٰى بِشَيْءٍ لَمْ اُحِلِّ اِلَّا مَا اَحَلَّ الْقُرْاٰنُ وَ لَمْ اُحَرِّمْ اِلَّا مَا حَرَّمَ الْقُرْاٰنُ۔

"اے لوگو! آگ روشن کی گئی اور فتنے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح چلے آتے ہیں اور قسم ہے رب کی! میرے ذمہ تمھارا کچھ مطالبہ نہیں ہے۔ مَیں نے وہی حلال بتایا جس کو قرآن نے حلال کیا اور وہی حرام بتایا جس کو قرآن نے حرام کیا۔"

جب کلامِ مبارک ختم ہولیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

"اے اللہ کے نبی! آج تو خدا کے فضل و کرم سے آپ ایسے اچھے ہیں جیسا ہم سب کا دل چاہتا تھا۔ آج بنت خارجہ [1] کے یہاں جانے کی باری ہے، اجازت ہو تو وہاں جاؤں۔"

آپ ﷺ نے اِجازت فرمائی۔ پھر آپ ﷺ دولت خانہ میں تشریف لے آئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سخ کو چلے گئے۔ اس کے بعد بھی کچھ عرصے تک مزاج مبارک درست رہا۔ چناں چہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس سے باہر آئے اور لوگوں نے خیریت دریافت کی، تو جواب دیا:

اَصْبَحَ بِحَمْدِ اللّٰهِ بَارِئًا۔

"آج صبح سے خدا کا شکر ہے، صحت ہے۔"

1- حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بی بی تھیں جو سخ میں رہتی تھیں۔

مسجد سے واپس تشریف لانے پر حضرت سرورِ عالم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آغوش میں تکیہ لگا کر بیٹھ گئے تھے۔ اسی اثنا میں آپ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں مسواک دیکھی اور اس کو بہ نظرِ رغبت ملاحظہ فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے منشا مبارک سمجھ کر مسواک ہاتھ سے لے لی۔ پہلے خود چبا کر نرم کی، پھر حضرت سرورِ عالم ﷺ کے سامنے اس کو پیش کیا۔ آپ ﷺ نے مسواک لے کر پوری قوت کے ساتھ دندان مبارک پر پھیری اور پھیرنے کے بعد رکھ دی۔ بعد مسواک جب آپ ﷺ کے بدن کا بوجھ زیادہ محسوس ہونے لگا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چہرۂ اقدس کی طرف دیکھا، پتلیاں چڑھ گئی تھیں اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:

اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی.

''اے اللہ مقامِ رفیق اعلیٰ میں پہنچا!''

تین بار یہ کلمات ادا فرما کر بہ تاریخ بارہ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری روز دوشنبہ وقت چاشت رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ وَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اِس سانحۂ ہوش رُبا کی خبر سنی اور فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور مسجد کے دروازے پر پہنچ کر گھوڑے سے اُترے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں مجمع کے سامنے گفت گو کر رہے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کسی جانب اِلتفات نہیں کیا اور سیدھے حجرۂ مبارک میں پہنچے۔ چہرۂ انور سے بردِ یمانی ہٹا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور رو کر کہا:

بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ طِبْتَ حَیًّا وَ مَیِّتًا اَمَّا الْمَوْتَۃَ الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰہُ عَلَیْکَ فَقَدْ ذُقْتَھَا ثُمَّ لَنْ یُّصِیْبَکَ بَعْدَھَا مَوْتَۃٌ اَبَدًا.

''آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں! آپ کی حیات اور وفات دونوں پاک ہیں۔ جو موت آپ کے حق میں اللہ نے لکھ دی تھی اُس کا

ذائقہ آپ نے چکھ لیا، اب اس کے بعد آپ کبھی وفات نہ پائیں گے۔"

یہ کہہ کر چادرِ اطہر ڈھک دی اور باہر آئے۔ اُس وقت حضرت فاروق رضی اللہ عنہ مجمع سے مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے:

"منافق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ واللہ! وفات نہیں پائی ہے، بلکہ اپنے رب کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی طرح گئے ہیں جو چالیس روز غائب ہو کر واپس آ گئے تھے حالاں کہ ان کی نسبت بھی کہا جاتا تھا کہ وفات پا گئے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراجعت کریں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے جو کہتے ہیں کہ آپ نے رحلت فرمائی۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کلام سنا تو کہا:

"اے عمر! سنبھلو اور خاموش ہو جاؤ!"

وہ چپ نہ ہوئے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود سلسلۂ گفتگو شروع کر دیا۔ حاضرین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر اُدھر متوجہ ہو گئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پہلے حمد و ثنا بیان کی، اس کے بعد کہا:

اَيُّهَا النَّاسُ! اِنَّهٗ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَ مَنْ يَنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ.

"اے لوگو! جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پوجتا تھا تو (وہ سمجھ لے کہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وفات پائی اور جو کوئی اللہ کو معبود مانتا تھا تو (وہ جان لے کہ) اللہ زندہ ہے، کبھی نہیں مرے گا۔ (خدا کا ارشاد ہے:) اور نہیں ہیں محمد مگر ایک رسول، اُن سے پہلے رسول گزر چکے ہیں، تو کیا وہ اگر مر جائیں

گے یا قتل کر دیے جائیں گے تو تم برگشتہ ہو جاؤ گے اور جو شخص برگشتہ ہو جائے گا وہ خدا کو کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ شکر گزاروں کو عن قریب جزا دے گا۔''

اِس آیت پاک کو سن کر لوگ چونک پڑے اور گویا اُن کو یاد آ گیا کہ یہ آیت بھی نازل ہوئی ہے۔ بہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ''اِس آیت کو سن کر میرے پاؤں ٹوٹ گئے، کھڑے رہنے کی قوت نہ رہی، مَیں زمین پر گر گیا اور مجھ کو یقین ہو گیا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت (1) فرمائی۔''

1- ایامِ خلافت میں ایک مرتبہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن جو میرا کلام تھا اُس کا منشا یہ آیت تھی:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا.

مَیں اس کا مطلب یہ سمجھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت میں آخر وقت تک قیام فرما کر اُس کے اعمال کی شہادت ادا فرمائیں گے۔
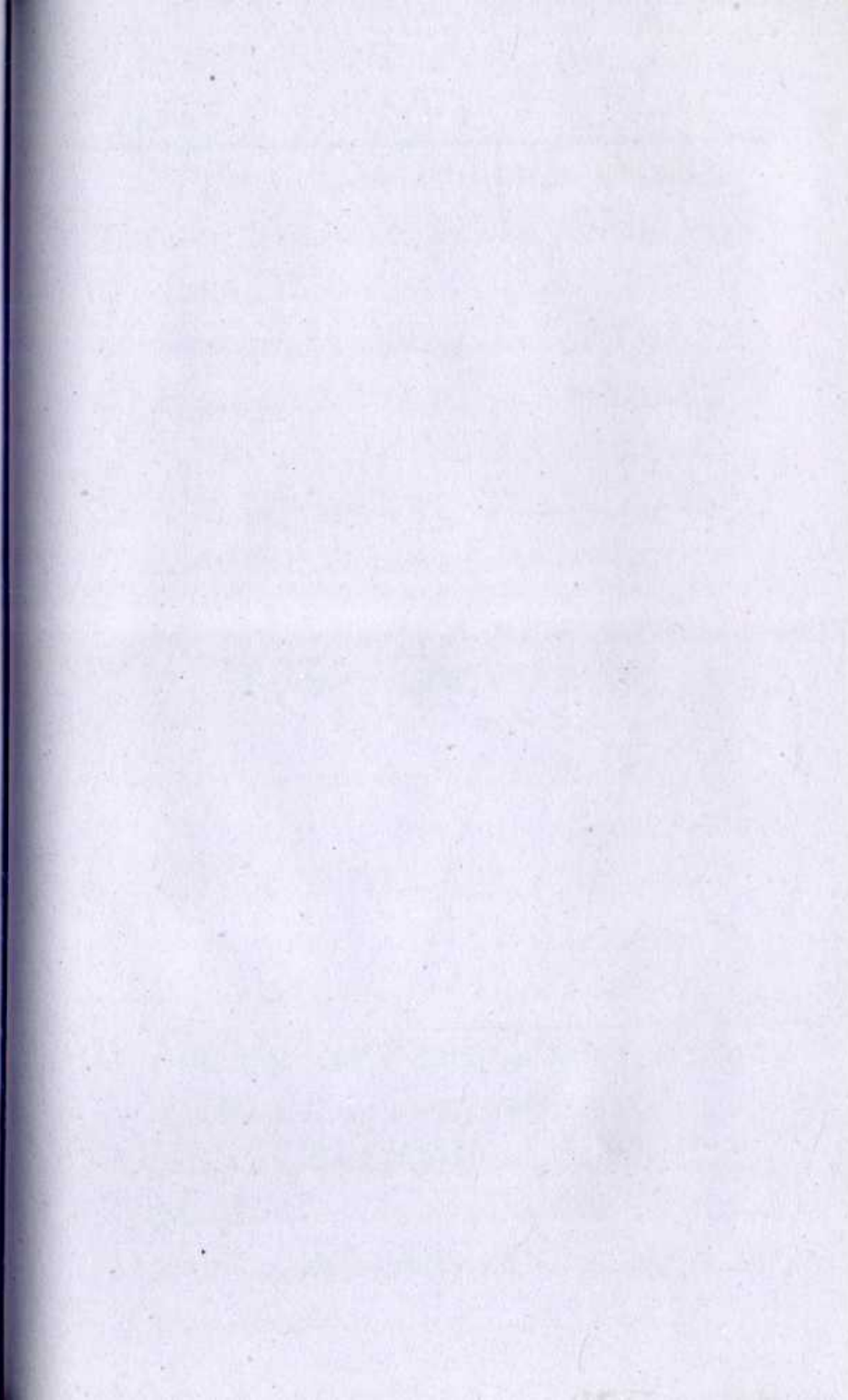
بابِ دوم

خلافت

سقیفۂ بنی ساعدہ:

اِسی حالت میں کہ مہاجرین مسجد نبوی میں جمع تھے ایک شخص نے آ کر کہا کہ "انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں فراہم ہو کر خلافت کے بارہ میں مشورہ کر رہے ہیں، اگر تم کو اُمت کے بچانے کی ضرورت ہے تو بچا لو قبل اس کے کہ کام ہاتھ سے نکل جائے۔"

یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ

"ہم کو اپنے بھائیوں انصار کے پاس چلنا چاہیے!"

چناں چہ دونوں صاحب روانہ ہوئے، راستہ میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہو گئے۔ آگے بڑھے تو دو انصاری ملے اور پوچھا:

"کہاں جاتے ہو؟"

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"انصار کے جلسے میں۔"

انصاریوں نے کہا:

"وہاں نہ جائیے! مہاجرین کو اپنا معاملہ خود طے کر لینا چاہیے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا:

"ہم ضرور جائیں گے۔"

اس موقع پر یہ بیان کر دینا مناسب ہے کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں کیا ہو رہا تھا۔ جب انصار سقیفہ میں جمع ہو لیے، تو سب سے اوّل حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔ پہلے حمد و ثنائے الٰہی بیان کی، پھر کہا:

يا معشر الانصار لكم سابقة فى الدين و فضيلة فى الاسلام ليست بقبيلة من العرب ان محمدا عليه السلام لبث بضع عشرة سنة فى قوم يدعوهم الى عبادة الرحمٰن و خلع الانداد و الاوثان فما أمن به من قومه الا رجال قليل و كان ما كانوا يقدرون على ان يمنعوا رسول الله و لا ان يعزوا دينه و لا ان يدفعوا عن انفسهم ضيما عموا به حتى اذا اراد بكم الفضيلة ساق اليكم الكرامة و خصكم بالنعمة فرزقكم الله الايمان به و برسوله و المنع له و لاصحابه و الاعزاز له و لدينه و الجهاد و لاعدائه و كنتم اشد الناس على عدوه منكم و اثقله على عدوه من غيركم حتى استقامت العرب لامر الله طوعا و كرها و اعطى البعيد المقادة صاغرا داخرا حتى اثخن الله عزوجل لرسوله بكم الارض و دانت باسيافكم له العرب و توفاه الله و هو عنكم راض و بكم قدير عين استبدوا بهذا الامر من دون الناس فانه لكم دون الناس.

"اے گروہِ انصار! تم کو دِین میں وہ سبقت اور اِسلام میں وہ فضیلت حاصل ہے جو عرب کے کسی قبیلہ کو حاصل نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ محمد علیہ السلام

اپنی قوم میں کچھ اوپر دس برس رہ کر اُس کو خدا کی عبادت اور بت پرستی کے ترک کی جانب بلاتے رہے، مگر بہ اِستثنائے قلیل اُن کی قوم سے کوئی ایمان نہ لایا، جو ایمان لائے اُنھیں اِتنی قوت نہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرتے، دِین کا اِعزاز بڑھاتے اور اپنے آپ سے ظلم اعدا کو دفع کرتے جس میں سب مبتلا تھے۔ یہاں تک کہ جب اللہ کو منظور ہوا کہ تم کو عزت دے تو اُس نے تم کو شرف بخشا، فضیلت کے ساتھ مخصوص فرمایا اور اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی، نیز اِس امر کی کہ تم رسول اللہ اور اُن کے اصحاب کی حفاظت کرو، اُن کا اور اُن کے دِین کا اِعزاز بڑھاؤ اور اُن کے دشمنوں سے جہاد کرو۔ اس کے بعد تم اُن کے دُشمنوں پر (خواہ وہ تم میں سے تھے یا تمھارے غیر سے) سب سے زیادہ سخت اور بھاری ہو گئے یہاں تک کہ تمام عرب کے سر حکم اِلٰہی کے سامنے طوعاً وکرہاً جھک گئے اور تمھارے تلواروں نے عرب کو فرماں بردار بنا دیا اور تمھارے ذریعے سے خداوند تعالیٰ نے سرزمین عرب کو مطیع۔ خداوند تعالیٰ نے اُن کو (رسول اللہ ﷺ کو) وفات دی اور وہ تم سے راضی وخوش تھے (خلافت کی نسبت) پورا اِصرار کرو! وہ تمہارا حق ہے نہ کہ اوروں کا۔"

اِس خطبے کے ختم ہونے پر تمام مجمع نے تحسین کی اور کہا:

"ہم تمھاری رائے پر عمل کریں گے۔ تم ہم میں سے سربرآوردہ ہو اور صلحائے مومنین کے محبوب۔"

اِس کے بعد باہم بحث وگفتگو ہوتی رہی۔ دورانِ بحث میں کسی نے کہا کہ "اگر مہاجرین نے اپنا یہ دعویٰ پیش کیا کہ ہم مہاجرین اور اوّلین صحابہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے عزیز ورفیق، پھر تم کس طرح ہمارے مقابلہ پر دعویٰ کرتے ہو تو ہمارا جواب کیا ہوگا؟"

اِس پر کسی نے کہا کہ ہم یہ جواب دیں گے:

اِذًا مِنَّا اَمِیْرٌ وَ مِنکُمْ اَمِیْرٌ.

"اِس صورت میں ایک امیر ہم میں سے ہو، ایک تم میں سے۔ اِس کے بغیر ہم کبھی راضی نہ ہوں گے۔"

یہ سن کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

"یہ پہلی کمزوری ہے۔"

یہ مکالمہ ہو رہا تھا کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم وہاں پہنچے۔ دیکھا کہ ایک آدمی چادر اوڑھے لیٹا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"یہ کون ہے؟"

کسی نے کہا:

"سعد بن عبادہ۔"

اِس طرح کیوں لیٹے ہیں؟

"بیمار ہیں۔"

اِس سوال و جواب کے بعد تینوں صاحب بیٹھ گئے۔ اُن کے بیٹھ جانے پر انصار کا ایک خطیب کھڑا ہوا اور اُس نے انصار کے حقوق و فضائل پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔ اِسی طرح متعدد انصاریوں نے خطبے دیے۔ جب اُن کے سب خطیب سلسلۂ کلام ختم کر چکے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دینا چاہا (جس کو پہلے سے سوچ چکے تھے)، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"ٹھہرو!"

وہ رُک گئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ اوّل حمد و ثنائے اِلٰہی بیان کی، پھر کہا:

ان اللّٰہ بعث محمدا رسولا الی خلقه شهیدا علی امته

ليعبدوا الله و يوحدوه و هم يعبدون من دونه الهة شتّٰى و يزعمون انهم عند شافعة و لهم نافعة انما هى من حجر منهوت و خشب منجور ثم قرا: "وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۤءِ شُفَعَآئُنَا عِنْدَ اللّٰهِ" و قالوا: "مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى" فعظم على العرب ان يتركوا دين اٰباء هم فخص اللّٰه المهاجرين الاولين من قومه بتصديقه والايمان به و المواساة له و الصبر معه على شدة اذى قومهم لهم و تكذيبهم اياهم و كل الناس لهم مخالف زاد عليهم فلم يستوحشوا لقلة عددهم و شغف الناس لهم و اجماع قومهم عليهم فهم اول من عبد الله فى الارض و اٰمن باللّٰه و بالرسول و هم اولیائه و عشيرته و احق الناس هذا الامرين بعده و لا ينازعهم فى ذٰلك الا ظالم و انتم يا معشر الانصار من لا ينكر فضلهم فى الدين و لا سابقتهم العظيمة فى الاسلام رضيكم اللّٰه انصارا لدينه و رسوله و جعل اليكم هجرة و فيكم جلة ازواجه و اصحابه فليس بعد المهاجرين الاولين عندنا بمنزلتكم فنحن الامراء و انتم الوزراء لا تفتانون بمشورة و لا نقضى دونكم الامور.

"واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی مخلوق کے پاس رسول اور اُن کی اُمت کے واسطے راہ نما بنا کر بھیجا اِس غرض سے کہ بندے اللہ کی عبادت اور اس کی توحید کا اِقرار کریں۔ حالت یہ تھی کہ لوگ متفرق معبودوں کو اِس خیالِ خام سے پوجتے تھے کہ وہ اللہ کے سامنے اُن کے

شفیع بن کر نفع پہنچائیں گے۔ اِن معبودوں کی حقیقت یہ تھی کہ چوب و سنگ سے تراش لیے گئے تھے، (پھر آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے:)
اور وہ لوگ اللہ کے سوا ایسے معبود پوجتے ہیں جو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔ اور کہتے ہیں کہ ہم ان کی پرستش صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمارا قرب بارگاہِ اِلٰہی میں بڑھائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کو اپنا دِین آبائی کا چھوڑنا گراں گزرا۔ اُس وقت اللہ نے رسول کی قوم میں سے مہاجرین اوّلین کو یہ خصوصیت بخشی کہ اُنھوں نے آپ کی تصدیق کی اور اِیمان لائے، خدمت کے لیے کمر بستہ ہوئے، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سخت مصیبتیں جھیلیں اِس حالت میں کہ تمام آدمی اُن کو جھٹلاتے تھے اور دُشمن جانی ہو رہے تھے، وہ اس کے باوجود اپنی قلت اور دُشمنوں کی سختی کے گھبرائے نہیں۔ لہٰذا یہ لوگ وہ ہیں جنھوں نے سب سے اوّل رُوے زمین پر اللہ کی عبادت کی، اللہ اور رسول پر اِیمان لائے۔ اسی کے ساتھ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے رُفقا اور کنبے والے ہیں اور خلافت کے سب سے زیادہ حق دار، سوائے ظالم کے اِس معاملہ میں اُن سے کوئی شخص نزاع نہیں کر سکتا اور اے معشر الانصار! تمہاری دِینی فضیلت اور اِسلامی شرف سے کوئی شخص اِنکار نہیں کر سکتا۔ تم کو اللہ نے اپنے دین اور رسول کی مدد کے واسطے اِنتخاب کیا، اپنے رسول کو تمہاری پناہ میں ہجرت کے بعد بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ کے اکثر ازواج و اصحاب تم میں سے ہیں، لہٰذا مہاجرین اوّلین کے بعد تمھارا مرتبہ سب سے زیادہ ہے۔ پس ہم اُمرا ہوں، تم وزرا۔ تم اپنے مشوروں پر ہٹ مت کرنا، ہم بغیر تمہارے مشورہ کے معاملات طے نہیں کریں گے۔"

ایک روایت کے بہ موجب آخر میں یہ کہا:

وَ قَدْ رَضِیْتُ لَکُمْ اَحَدَ هٰذَیْنِ الرَّجُلَیْنِ اَیُّهُمَا شِئْتُمْ.

"میں اِن دونوں میں سے جس ایک کو تم چاہو اِنتخاب کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر حضرت ابوعبیدہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی طرف اِشارہ کیا اور دونوں کے مختصر فضائل بیان کیے۔ انصار اِس کے بعد بھی جوش کے ساتھ اپنے حقوق بیان کرتے رہے۔ آخرکار حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ! اِنَّکُمْ اَوَّلُ مَنْ نَصَرَ وَ آزر فَلَا تَکُوْنُوْا اَوَّلَ مَنْ بَدَّلَ وَ تَغَیَّرَ.

"اے گروہِ انصار! تم نے مدد اور قوت پہنچانے میں سبقت کی تھی، لہٰذا تغیر وتبدل کرنے میں سبقت نہیں کرنی چاہیے۔"

یہ سن کر دو جلیل القدر انصاری یعنی حضرت زید بن ثابت اور حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہما نے اپنے فریق کو سمجھایا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ فَاِنَّ الْاِمَامَ یَکُوْنُ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَ نَحْنُ اَنْصَارُهٗ کَمَا کُنَّا اَنْصَارَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم.

"یہ واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمرۂ مہاجرین میں تھے، پس ضرور ہے کہ اِمام بھی مہاجرین میں سے ہو اور ہم اُس کے اُسی طرح مددگار ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔"

حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا:

یا معشر الانصار انا و اللّٰه لئن کنا اولیٰ فضیلة فی جهاد المشرکین و سابقة فی هذا الدین ما اردنا به الا رضا ربنا و طاعة نبینا والکدح لانفسنا فیما ینبغی لنا ان نستطیل علی الناس بذٰلك و لا ینبغی به من الدنیا عرضا فان الله ولی المنة علینا بذٰلك الا ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم من قریش و قومه

احق به و اولیٰ وایم اللّٰہ لا یرانی اللّٰہ انازعھم ھذا الامر ابدا فاتقوا اللّٰہ و لا تنازعوھم.

''اے گروہِ انصار! اگر ہم نے مشرکوں کے جہاد میں سب سے زیادہ فضیلت حاصل کی اور دِین میں عزت تو اُس سے مقصود صرف اللہ کی رضا اور اپنے نبی کی اِطاعت اور خود اپنے لیے کسب عمل تھا۔ ہم کو روا نہیں کہ ہم اُس کو دوسرے آدمیوں کے حقوق میں دست اندازی کا ذریعہ بنا دیں، نہ اُس کے عوض ہم کو جاہ دُنیا طلب کرنا چاہیے۔ خدا ہم کو اس کی جزا دے گا۔ خوب سمجھ لو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریشی تھے، اُن کی قوم اُن کی جانشینی کی سب سے زیادہ مستحق ہے۔ مَیں بالقسم کہتا ہوں کہ خدا مجھ کو کبھی نہ دیکھے گا کہ مَیں اُن سے اِس بارہ میں نزاع کروں۔ پس تم خدا سے ڈرو اور اُن سے جھگڑا نہ کرو!''

حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کی گفتگو ختم ہونے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

''عمر اور ابوعبیدہ موجود ہیں، اِن میں سے جس سے چاہو بیعت کرلو!''

دونوں نے کہا:

لا واللّٰہ لا نتولی ھذا الامر علیک فانک افضل المھاجرین و ثانی اثنین اذھما فی الغار و خلیفة رسول اللّٰہ علی الصلوٰة و الصلوٰة افضل دین المسلمین فمن ذا ینبغی له ان یتقدمک او یتولی ھذا الامر علیک ابسط یدک نبایعک.

''نہیں، قسم رب کی! اِس معاملہ میں ہم تم پر سبقت نہیں کر سکتے، تم افضل مہاجرین ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق غار اور خلیفہ نماز اور نماز مسلمانوں کے دین میں سب سے بڑھ کر ہے۔ پس یہ کس کو زیبا ہے کہ وہ تم پر مقدم ہو یا تمہارے ہوتے ہوئے خلافت کا متولّی بنے، ہاتھ بڑھاؤ! ہم تم سے

بیعت کرتے ہیں۔"

جس وقت اُن دونوں صاحبوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کا اِرادہ کیا، حضرت بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے سبقت کر کے سب سے اوّل بیعت کی۔ اُن کے بعد حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما نے۔ پھر تو یہ عالم ہوا کہ تمام مجمع بیعت پر ٹوٹ پڑا اور خوف ہوا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ (جو بہ وجہ مرض مجمع کے اندر لیٹے ہوئے تھے) کچل نہ جائیں۔ جب بیعت کی خبر جلسہ کے باہر پہنچی، تو ہر طرف سے آدمی جوق جوق آنے لگے، یہاں تک کہ گلیاں اُن کے ہجوم سے بھر گئیں۔ یہ بیعت خاصہ تھی۔

بیعتِ عامہ:

اگلے روز سہ شنبہ کو بیعت عامہ ہوئی۔ مسجد نبوی میں مسلمان جمع ہوئے۔ اوّل حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا:

کنت ارجو ان یعیش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی یدبرنا فان یلک محمدا صلی اللہ علیہ وسلم قد مات فان اللہ قد جعل بین اظھرکم نورا تھتدون بہ ھدی اللہ محمدا صلی اللہ علیہ وسلم و ان ابا بکر صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ثانی اثنین و انہ اولی المسلمین بامورکم فقدموا و بایعوہ۔

میری یہ توقع تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کے بعد تک زندہ رہیں گے، لیکن اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو تمہارے پاس وہ نور موجود ہے (قرآن) جو تم کو راستہ دکھائے گا، جس پر اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چلایا تھا اور ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی رفیق غار ہیں اور وہ سب مسلمانوں سے زیادہ تمہارے معاملات کے اِنصرام کے اہل ہیں۔ اب بڑھو اور اُن سے بیعت کرو!"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کلامِ بالا ختم کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اِصرار کیا کہ منبر پر

بیٹھیے، مگر وہ اِنکار کرتے رہے۔ آخر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا اِصرار غالب آیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے، لیکن اُس مقام سے ایک درجہ نیچے جہاں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرماتے تھے۔ جلوسِ منبر کے بعد عام طور پر مسلمانوں نے بیعت کی (فبایعه الناس عامة)۔ بعد بیعت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر خطبہٴ خلافت دیا۔ اوّل حمد وثنائے اِلٰہی بیان کی، پھر کہا:

اما بعد.. ایها الناس فواللّٰه ما کنت حریصا علی الامارة یوما و لا لیلة قط و لا کنت راغبا فیها و لا سالتها اللّٰه عزوجل فی سر و علانیة و لکنی اشفقت من الفتنة و لکن کلفت امرا عظیما ما لی به طاقة و لا یدان الا بتقویة اللّٰه عزوجل و لوددت ان اقوی الناس علیها مکافی الیوم انی قد ولیت علیکم و لست بخیرکم فان احسنت فاعینونی و ان اسأت فقومونی الصدق امانة و الکذب خیانة و الضعیف فیکم قوی عندی حتی ازیح علیه حقه ان شاء اللّٰه و القوی منکم ضعیف حتی اٰخذ الحق منه ان شاء اللّٰه لا یدع قوم الجهاد فی سبیل اللّٰه الا ضربهم اللّٰه بالذل و لا یشیع الفاحشه فی قوم قط الا عمهم اللّٰه بالبلاء اطیعونی ما اطعت اللّٰه و رسوله فاذا عصیت اللّٰه و رسوله فلا طاعة لی علیکم قوموا الی صلوتکم یرحمکم اللّٰه تعالٰی.

”بعد حمدِ اِلٰہی، اے آدمیو! واللہ مجھ کو ہرگز امیر بننے کی حرص نہ کبھی دن میں نہ رات میں اور نہ میرا میلان اس کی جانب تھا اور نہ مَیں نے اللہ سے ظاہر یا پوشیدہ اُس کے لیے دُعا کی، البتہ مجھ کو یہ خوف ہوا کہ کوئی فتنہ نہ اُٹھ کھڑا ہو۔ مجھ کو حکومت میں کچھ راحت نہیں ہے، بلکہ مجھ کو ایک ایسے

امر عظیم کی تکلیف دی گئی ہے جس کے برداشت کی مجھ میں طاقت نہیں اور نہ وہ بدوں اللہ عز و جل کی مدد کے قابو میں آ سکتا ہے۔ میری ضرور یہ آرزو تھی کہ آج میری جگہ سب سے زیادہ قوی آدمی ہوتا۔ یہ تحقیق ہے کہ مَیں تمھارا امیر بنایا گیا اور مَیں تم سے بہتر نہیں ہوں، اگر مَیں راہِ راست پر چلوں مجھ کو مدد دو، اگر بے راہ چلوں مجھ کو سیدھا کر دو! صدق امانت ہے اور کذب خیانت۔ جو تم میں کم زور ہے وہ میرے لیے قوی ہے، اِن شاء اللہ اُس کا حق دلواؤں گا اور تم میں جو قوی ہے وہ میری نظر میں کم زور ہے، اُس سے اِن شاء اللہ حق لے کر چھوڑوں گا۔ جو قوم راہِ حق میں جہاد چھوڑ دیتی ہے وہ ذلیل کر دی جاتی ہے اور جس قوم میں بے حیائی کا رواج ہو جاتا ہے اُس پر عام طور پر عذابِ الٰہی نازل ہوتا ہے۔ جب تک مَیں اللہ اور اُس کے رسول کی اِطاعت کروں، تم میری اِطاعت کرو اور جب میں خدا اور اُس کے رسول کی نافرمانی کروں تم کو میری اِطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ اب نماز کے واسطے کھڑے ہو جاؤ! خدا تم پر رحم کرے!''

بعد بیعت خلیفہ رسول اللہ لقب ہوا۔ ایک موقع پر کسی نے خلیفۃ اللہ کہہ کر مخاطب کیا، تو کہا: مَیں رسول اللہ کا خلیفہ ہوں اور اِسی سے مَیں خوش ہوں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے ''اِزالۃ الخفا'' میں معنی خلافت پر ایک لطیف بحث لکھی ہے، اگرچہ اُس کی اصلی شان تو خود شاہ صاحب کے الفاظ میں ہے، مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا خلاصہ عام فہم پیرایہ میں یہاں بھی لکھ دیا جائے:۔

یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رِسالت عام تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام بنی نوع اِنسان کی ہدایت کے واسطے مبعوث ہوئے تھے، بعد بعثت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اُمور کا اِہتمام کوشش بلیغ کے ساتھ فرمایا، اگر اُن سب کا اِستقرا کر کے جزئیات سے کلیات بنائیں اور

کلیات سے کلی واحد جو جنس اعلیٰ ہو تو ثابت ہوگا کہ تمام کوششوں کا مرجع اقامت دین تھی۔ یہ جنس اعلیٰ ہے، اس کے تحت میں حسب ذیل کلیات آتی ہیں:

1- علومِ دین کا اِحیا (قائم رکھنا اور رائج کرنا) علومِ دین سے مراد ہے قرآن وسنت کی تعلیم اور وعظ ونصیحت۔

2- ارکانِ اسلام؛ نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ کا قیام واِستحکام۔

3- لشکر کا تقرر، غزوات کا اِہتمام۔

4- مقدمات کا اِنفصال، قاضیوں کا تقرر۔

5- امر بالمعروف (عمدہ افعال واوصاف کا حکم دینا اور اُن کو رائج کرنا) ونہی عن المنکر (بری باتوں کو روکنا اور اُن کا اِنسداد کرنا) جو حکام نائب مقرر ہوں اُن کی نگرانی کہ پابند حکم رہیں اور خلاف ورزی احکام نہ کریں۔

اِن جملہ اُمور کا اِہتمام رسول اللہ ﷺ نے بہ نفس نفیس فرمایا اور ان کے اِنصرام کے واسطے نائب بھی مقرر فرمائے، وعظ ونصیحت فرمائی، صحابہ کو ممالک میں وعظ ونصیحت کے واسطے بھیجا، جمعہ وعیدین وپنج وقتہ نماز کی اِمامت خود فرمائی، دوسرے مقامات کے واسطے امام مقرر کیے، وصول زکوۃ کے واسطے عامل مامور کیے، وصول شدہ اموال کو مصارف مقررہ میں صرف کیا، رُویت ہلال کی شہادت آپ ﷺ کے حضور میں پیش ہوتی اور بعد ثبوت روزہ رکھنے یا عید کرنے کا حکم صادر ہوتا، حج کا اِہتمام بعض اوقات خود فرمایا، بعض اوقات نائب مقرر کیے، جس طرح ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا، غزوات کی سپہ سالاری خود کی، نیز اُمرا نائب سے یہ کام لیا گیا، مقدمات ومعاملات فیصل کیے، قاضیوں کا تقرر عمل میں آیا، علیٰ ہذا القیاس باقی اُمور۔

آں حضرت ﷺ کی وفات کے بعد دِین کے قیام وحفاظت کے واسطے ضروری تھا نائب مطلق یا خلیفہ کا تقرر، تا کہ وہ اِقامت دِین کی مذکورہ بالا خدمات کوانجام دے۔

جیشِ اُسامہ:

مرضِ وفات میں حضرت سرورِ عالم ﷺ نے ایک لشکر کی روانگی کا حکم دیا تھا جس کے سردار حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ مقرر فرمائے گئے تھے۔ مدینہ اور نواحِ مدینہ کے سات سوجوان اِس مہم کے لیے نام زد ہوئے تھے۔ یہ مہم رومیوں کے مقابلہ پر اس لشکر اِسلام کے اِنتقام لینے کے واسطے مامور ہوئی تھی، جس کو رومیوں نے ۸ ہجری میں بہ مقام موتہ تباہ کیا تھا، مگر آپ ﷺ کی علالت کی شدت اور وفات کے سبب روانگی نہ ہو سکی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیعت کی، دوسرے روز حکم دیا کہ جیشِ اُسامہ تیار ہو کر روانہ ہو! منادی نے ندا دی:

لیتم بعث اسامة الا لا یبقین بالمدینة احد الا خرج الی عسکره بالجرف.

"اُسامہ کے لشکر کو تیار ہو جانا چاہیے۔ تاکید کی جاتی ہے کہ جو لوگ اِس مہم میں نام زد ہیں اُن میں سے ایک آدمی بھی مدینہ میں نہ رہے اور سب کے سب اپنے پڑاو پر بہ مقام جرف (1) جمع ہو جائیں!"

یہ پہلا حکم تھا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بہ حیثیت خلافت جاری کیا۔ اسی عرصہ میں کہ لشکر چھاؤنی میں جمع ہوا اور اُس کی روانگی عمل میں آئے، عرب کے اِرتداد اور یہود و نصاریٰ کی سرکشی کی خبریں متواتر مدینہ میں آنے لگیں۔ اِن خبروں سے مسلمانوں کا تردّد بڑھا۔ مؤرخین کا اِس پر اِتفاق ہے کہ یہ وقت مسلمانوں کے لیے نہایت سخت تھا، مصیبت عظمیٰ حضرت سرورِ عالم ﷺ کے سایہ کا سروں سے اُٹھ جانا تھا، اِسی کے ساتھ

1- جرف: مدینہ کے باہر ایک میدان تھا۔

عرب میں اِرتداد پھیل رہا تھا۔ یہود و نصاریٰ نے اِن حالات کو دیکھ کر سرکشی شروع کر دی تھی، اُس پر طرہ مسلمانوں کی قلت، دُشمنوں کی کثرت۔ صحابی جلیل القدر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس وقت مسلمان بکریوں کے اُس گلہ سے مشابہ تھے جو جاڑوں کی سرد رات میں بہ حالت بارش میدان میں بے گلہ بان کے رہ جائے۔

ان حالات پر نظر کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ

"جو آدمی لشکر اُسامہ میں جا رہے ہیں وہ مسلمانوں کے چیدہ و منتخب افراد ہیں، عرب کی حالت آپ کی نگاہ کے سامنے ہے، اِس صورت میں مسلمانوں کی جمعیت کو متفرق کرنا مناسب نہیں۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ ظَنَنْتُ اَنَّ السِّبَاعَ تَخْطِفُنِیْ لَاَنْفَذْتُ جَیْشَ اُسَامَۃَ کَمَا اَمَرَ بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ لَوْ لَمْ یَبْقَ فِی الْقُرٰی غَیْرِیْ لَاَنْفَذْتُہٗ۔

"قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر مجھ کو یہ بھی گمان ہوتا کہ درندے مجھ کو اُٹھا لے جائیں گے تو بھی بہ تعمیل حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسامہ کا لشکر ضرور بھیجتا، اگر بستیوں میں سوائے میرے ایک متنفس بھی باقی نہ رہتا تو بھی روانگی کا حکم یقیناً دیتا۔"

اِس کے بعد بہ خیال مزید اِہتمام مسلمانوں کے سامنے مجمع عام میں خطبہ دیا اور تیاری لشکر کی تاکید کی، جب تمام لشکر جرف کے پڑاؤ پر جمع ہو گیا تو حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ امیر عسکر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہلا بھیجا کہ

مجھ کو اندیشہ ہے کہ میری روانگی کے بعد کفار خلیفہ رسول اللہ، حرمِ نبوی اور باقی مسلمانوں پر دوڑ پڑیں گے، اس لیے اگر آپ اِجازت دیں تو مع لشکر مدینہ چلا آؤں۔"

اِسی کے ساتھ انصار نے پیغام بھیجا کہ

''آپ لشکر روانہ ہی کریں تو بہ جائے اُسامہ [1] کے کسی سن رسیدہ آدمی کو سردار مقرر کیجیے!''

پہلا پیام سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قریباً وہی جواب دیا جو اوپر مذکور ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انصار کا پیام سنایا، تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ غصے سے بے تاب ہو کر کھڑے ہو گئے اور کہا:

''تم کو موت ہو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسامہ کو امیر لشکر بنایا، تم مجھ کو ہدایت کرتے ہو کہ مَیں اُس کو معزول کر دوں۔''

اِس جواب کے بعد جرف کے پڑاؤ پر خود گئے اور رُخصت کر کے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ جب کوچ ہوا تو حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیادہ پا ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ خلیفہ کا کوتل گھوڑا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا:

''یا آپ سوار ہو لیں یا مجھ کو پیادہ چلنے کی اِجازت دیں۔''

جواب دیا کہ

''نہ مَیں سوار ہوں گا نہ تم کو پیادہ چلنے کی اجازت ملے گی۔ اگر مَیں ایک ساعت راہِ خدا میں اپنے قدم خاک آلود کروں تو میری کیا شان جاتی ہے۔ غازی راہِ خدا میں جو قدم رکھتا ہے اُس کے بدلے میں سات سو درجے بلند کیے جاتے ہیں، سات سو گناہ معاف ہوتے ہیں، سات سو نیکیاں نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔''

اِس کے بعد لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا:

یا ایها الناس! قفوا اوصیکم بعشر فاحفظوها عنی: لا تخونوا

1- حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا سن اُس وقت ۱۹ برس کا تھا۔

و لا تغلوا و لا تغدروا و لا تمثلوا و لا تقتلوا طفلا و لا شیخا و لا کبیرا و لا امراۃ و لا تعقروا نخلا و لا تحرقوہ و لا تقطعوا الشجرۃ المثمرۃ و لا تذبحوا شاۃ و لا بقرۃ و لا بعیرا الا لماکلۃ و سوف تمرون باقوام قد فرغوا انفسھم بالصوامع فدعوھم و ما فرغوا انفسھم و سوف تقدمون علٰی قوم یاتوکم بانیۃ فیھا الوان الطعام فاذا اکلتم منھا شیئا بعد شیء فاذکروا اسم اللّٰہ علیھا و تلقون اقواما قد مخصوا اوساط رؤوسھم و ترکوا حولھا مثل العصائب فاخفقوھم بالسیف خفقا اندفعوا باسم اللّٰہ افناکم اللّٰہ الطعن و الطاعون.

''اے آدمیو! کھڑے ہو جاؤ! مَیں تم کو دس حکم دیتا ہوں اُن کو میری جانب سے اچھی طرح یاد رکھنا:

خیانت نہ کرنا!

دھوکا نہ دینا!

سردار کی نافرمانی نہ کرنا!

کسی شخص کے اعضا مت کاٹنا!

کسی بچے، بوڑھے یا عورت کو قتل مت کیجو!

کھجوریا اور کسی میوہ دار درخت کو مت کاٹیو نہ جلائیو!

بکری، گائے یا اونٹ کو سوائے غذا کی ضرورت کے نہ مارنا!

تم کو ایسے لوگ ملیں گے جو عبادت گاہوں میں گوشہ گیر ہو کر بیٹھے ہوں گے اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دینا!

اور تم کو ایسے آدمی ملیں گے جو تمھارے پاس قسم قسم کے کھانے برتنوں میں

رکھ کر لائیں گے، جب تم اُن کھانوں کو یکے بعد دیگرے کھاؤ تو خدا کا نام لیتے جانا! (یعنی نعمتیں پا کر خدا کو بھول نہ جانا)

اور تم کو ایک ایسی قوم ملے گی جن کے سر کے بال بیچ میں منڈے ہوں گے اور پٹھے چھوٹے ہوں گے اُن کو تازیانہ کی سزا دی جائے۔

خدا کا نام لے کر روانہ ہو! خدا تم کو (دُشمن کے) حربہ اور طاعون کے حملے سے محفوظ رکھے۔"

یہ لشکر غرۂ ربیع الآخر کو (یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ٹھیک اُنیس روز بعد) مدینہ سے روانہ ہوا۔ منزل مقصود پر پہنچا اور بہ اختلافِ روایت چالیس دن یا اس سے کسی قدر زائد عرصہ میں اِرشادِ نبوی کی تعمیل کر کے مع الخیر واپس آ گیا۔

مؤرخین کا قول ہے کہ اس لشکر کی روانگی سے قبائل میں دھاک بندھ گئی اور اُنھوں نے خیال کیا کہ اگر مسلمانوں میں قوت نہ ہوتی تو اِس لشکر کو مدینہ سے باہر نہ بھیج دیتے۔

اِرتداد:

فتح مکہ [1] کے بعد کثرت سے قبائل عرب نے اپنے وفد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے اور اِسلام سے مشرف ہوئے۔ چناں چہ سیرت میں ۹ ہجری کا نام سنۃ الوفود ہے۔

اِسی سلسلہ میں یمن کے زبردست قبیلے بنو حنیفہ کا وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ وفد مذکور میں مسیلمہ بھی تھا۔ اِس میں اِختلاف ہے کہ مسیلمہ جمالِ نبوی کے دیدار سے مشرف ہوا یا نہیں۔ بہ ہر حال یہ وفد مسلمان ہو کر یمن واپس آ گیا اور اس کی واپسی پر قبیلہ بنو حنیفہ اِسلام لے آیا۔

۱۰ ہجری کے آخر میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اہل یمن کی ہدایت کے واسطے بھیجا۔ اِس سے قبل چھ مہینے تک حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

1- مکہ ۸ ہجری کے آخری حصہ میں فتح ہوا۔

نے تبلیغ اِسلام کی، مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کی آمد کی خبر سن کر کثرت سے یمنی سرحد پر اِستقبال کو آئے۔ صبح کی نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے با جماعت ادا فرمائی۔ بعد نماز سب اہل یمن صف بستہ سامنے کھڑے ہو گئے۔ حضرت مرتضی رضی اللہ عنہ نے اُن کو مخاطب کر کے اوّل حمد و ثنائے اِلٰہی بیان فرمائی، اُس کے بعد فرمانِ رسالت سنایا اور تلقین اِسلام کی۔ اِس تلقین کا یہ اثر ہوا کہ اُسی روز تمام ہمدان مسلمان ہو گیا۔ بعد کام یابی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مراجعت فرمائی اور حجۃ الوداع کے موقع پر بہ مقام عرفات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ غرض ۹ رہجری اور ۱۰ رہجری میں ملک یمن محض تبلیغ کے اثر سے دائرۂ اِسلام میں داخل ہوا۔

۹ ہجری میں زکوٰۃ فرض ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے وصول کے واسطے عمال مختلف اطراف میں مقرر فرمائے، یمن میں باذان کو بہ دستورِ سابق تمام یمن کا عامل رکھا۔ حجۃ الوداع میں باذان کی وفات کی خبر پہنچی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی موقع پر جدید اِنتظام فرمایا۔ ملک یمن مختلف حصوں پر تقسیم کیا گیا اور ہر حصہ پر جداگانہ عامل کا تقرر ہوا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اِس خدمت پر مامور ہوئے کہ تمام ملک یمن میں دورہ کر کے احکام اِسلام کا اِجرا کرتے رہیں۔

اِسی عرصہ میں پہلا کاذب مدعی نبوت یمن میں بہ مقام صنعا پیدا ہوا جس کا نام اسود عنسی تھا۔ اُس کو بے حد فوری کام یابی ہوئی اور چند ہی دن میں اُس نے ہر طرف آتش فساد مشتعل کر دی۔ قبیلہ بنی اسد میں طلیحہ نے دعوی نبوت کیا۔ تیسرا مدعی نبوت مسیلمہ کذاب تھا۔ اسود عنسی کی کام یابی دیکھ کر اُس کو بھی جراَت ہوئی اور دعوی نبوت کا منصوبہ قائم کر کے اُس نے اِعلان کیا کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ کو شریک رسالت کر لیا ہے۔ اِنتہائے خیرہ سری یہ تھی کہ ۱۰ رہجری کے آخر میں اُس نے ذیل کا خط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا:

مِنْ مُسَیْلِمَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَاِنِّیْ قَدِ

اشْتَرَكْتُ مَعَكَ فِي الْاَمْرِ وَ اِنَّ لَنَا نِصْفُ الْاَرْضِ وَ لِقُرَيْشٍ نِصْفُهَا وَ لٰكِنَّ قُرَيْشًا قَوْمٌ يَعْتَدُوْنَ.

''مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام، میں رسالت میں تمھارا شریک کیا گیا ہوں، آدھی زمین ہماری ہے اور آدھی قریش کی، مگر قریشی ایسی قوم ہے جو ظلم کرتی ہے''۔

اِس کے جواب میں یہ فرمانِ رسالت مدینہ سے جاری ہوا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُسَيْلِمَةَ الْكَذَّابِ. اَمَّا بَعْدُ فَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ.

''شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان بخشنے والا ہے۔ محمد رسول اللہ کی جانب سے مسیلمہ کذاب کے نام۔ بعد حمد پس سلام ہو اُن پر جو راہِ راست کے پیرو ہیں، پھر یہ تحقیق ہے کہ ساری زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور عاقبت پرہیزگاروں کے حصہ میں ہے۔''

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب عادت شریف اوّل ان مدعیانِ نبوت کو بہ ذریعہ پند و نصیحت سمجھایا، متعدد مراسلات بھیجے، لیکن کچھ اثر نہ ہوا، مرتدوں نے مسلمانوں پر دست درازی و تعدی شروع کی اور جمعیت فراہم کر کے مقابلہ و مقاتلہ کا سلسلہ جاری کر دیا۔ جب نوبت اِس حد تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے دفعیہ کے واسطے عمال کے نام احکام جاری فرمائے اور یہ اِہتمام مرضِ وفات کی شدت میں بھی برابر جاری رہا۔

اسود عنسی کا خاتمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک میں ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر مسلمانوں کو سنا دی۔ اِس بیان سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

وفات کے وقت جھوٹے مدعیانِ نبوت اور اُن کے پیروؤں کی کیا کیفیت تھی۔

جس وقت آپ ﷺ کی رحلت کی خبر شائع ہوئی ان قبائل میں اور اُن کے اثر سے دوسرے جدید الاسلام قبیلوں میں اِضطرابِ عظیم پیدا ہوا اور تمام ملک یمن میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، مسلمان عامل ہٹا دیے گئے اور مرتدین نے دخل کر لیا۔ اسود عنسی اگرچہ مر چکا تھا، لیکن اس کی فوج مختلف حصہ ہائے ملک میں منتشر تھی، اب وہ پھر جمع ہو کر ایک لشکرِ عظیم بن گئی۔ اِسی کے ساتھ ساتھ نواحِ مدینہ میں اِرتداد و سرکشی پیدا ہوئی۔

خلاصہ یہ کہ مدینے کے باہر صرف دو قبیلے ایسے تھے جو تمام و کمال اِسلام پر قائم رہے یعنی قریش و ثقیف، باقی تمام قبائل میں کم و بیش اِرتداد کا فساد پھیلا، بعضے کل کے کل مرتد ہو گئے، بعض میں کچھ مسلمان رہے، کچھ مرتد ہو گئے۔ اِرتداد کا زور زیادہ تر دو طرف تھا: ایک یمن میں، دوسرے نواحِ مدینہ کے قبائل میں۔ اور یہ سب کے سب جدید الاسلام تھے۔ معرکہ طلب طبائع نے اپنے عروج و سرداری کا حیلہ دعوی نبوت و اِرتداد وے لیا تھا۔ واقعات ذیل سے اس بیان کی صحت کا اندازہ ہو سکتا ہے:-

قبیلہ بنی عامر میں سردار عامر بن الطفیل تھا۔ وہ علانیہ کہتا تھا کہ میں تمام عرب کی اِمارت کا متمنی ہوں، ایک قریشی کا اتباع کس طرح کر سکتا ہوں۔ قبیلہ غطفان قبیلہ بنی اسد کا حلیف تھا۔ غطفانی کہتے تھے کہ ہم اپنے حلیف اسدیوں کے نبی (طلیحہ) کو چھوڑ کر رسول قریشی کی پیروی کیوں کریں، قریش کے نبی نے وفات پائی، اسد کا نبی زندہ ہے۔

قبیلہ عبدالقیس میں مرتدوں کا نشان بردار غرور نعمان بن منذر کا پوتا تھا۔ یہ نعمان بن منذر اُس خاندان حمیر کی آخری یادگار تھا جس نے صدیوں تک یمن میں حکومت کی تھی۔

دعوی نبوت کی اِنتہائے ارزانی یہ تھی کہ سجاح نامی ایک عورت بھی مدعی نبوت بن بیٹھی۔ اُس نے یمن میں نبی ہونے کا اِعلان کیا۔ قبیلہ بنی تغلب (جو نصرانی تھا) اپنا

مذہب چھوڑ کر اُس کی اُمت میں شامل ہوا۔

مدعیانِ نبوت کے احکام بھی عجیب تھے۔ طلیحہ کی نکتہ سنجی ملاحظہ ہو! نماز کے ارکان میں سے سجدہ موقوف کر دیا۔ مسیلمہ کے حکم سے شراب و زنا مباح و حلال قرار پایا۔ جب اُس نے سجاح مدعیہ نبوت سے نکاح کیا، تو اُس کے مہر میں دو وقت کی نماز معاف کر دی؛ ایک صبح، کی دوسری عشا کی۔ وجہ یہ ظاہر کی کہ ان سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

فتنۂ اِرتداد کے سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ باوجود اِس قدر فتنہ و فساد اور ہنگامے کے ایک شخص بھی ایسا مرتد نہیں ہوا جو قدیم الاسلام اور مذہب میں راسخ ہو چکا تھا۔ عموماً جدید الاسلام قبیلے مرتد ہوئے، اُن میں بھی اکثر عوام فتنہ جُو تھے۔ چناں چہ طلیحہ کے نشان کے نیچے زیادہ تر قبیلہ طے اور اسد کے عوام الناس کا ہجوم تھا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فراست ایمانی سے آغاز ہی میں اس ہنگامے کی قوت کا پورا اندازہ فرمالیا تھا۔ چناں چہ یمن سے جب اِبتداءً قاصد آئے تو خط دیکھ کر اُن سے فرمایا:

> ''ابھی صبر کرو! اِس کے بعد جو خط آئیں گے اُن میں اِس سے بھی زیادہ سخت خبریں ہوں گی۔''

اور ہوا بھی یہی۔ اِس کے بعد ہی ہر طرف سے اُمرائے مسلمین کے مراسلے آنے لگے جن میں قبائل کے اِرتداد اور اُن کے مظالم کی اِطلاع درج تھی جو مرتدوں کے ہاتھ سے مسلمانوں پر ہوتے تھے۔ نواحِ مدینہ کے قبائل نے مرتد ہو کر بالاتفاق مدینہ کا رُخ کیا۔ بنی اسد سمیرا (1) میں، فرازہ اور غطفان کا ایک حصہ جنوب مدینہ میں، ثعلبہ و مرہ و عبس کا ایک حصہ ابرق (2) میں، دوسرا ذوالقصہ (3) میں خیمہ زن ہوا۔ اُسی زمانہ

1- سمیرا: مکہ کے راستہ میں ایک منزل۔

2- ابرق: بنی ذبیان کا وطن۔

3- ذوالقصہ: مدینہ سے ایک منزل بہ جانب نجد۔

میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس راستہ سے مدینہ پہنچے اور بیان کیا کہ
''دبا(1) سے لے کر مدینہ تک برابر مرتد فوجیں پڑی ہوئی ہیں۔''
اِن قبائل نے اِس طرح مدینہ کو گھیر کر اپنے قاصد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجے۔

یہ آگ کس قدر جلد بھڑکی تھی، اِس کا اندازہ اِس واقعہ سے ہوتا ہے کہ بیعت خلافت کے دس ویں روز ایلچی مدینہ پہنچ گئے تھے۔ مدینہ پہنچ کر قاصد مختلف عمائد کے یہاں مقیم ہوئے۔ عم رسول حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی یہ خصوصیت تھی کہ اُنھوں نے کسی قاصد کو اپنے مکان پر نہیں ٹھہرنے دیا۔ ایلچیوں نے اوّل اُن مسلمانوں سے گفتگو کی جن کے یہاں ٹھہرے تھے، اُس کے بعد متفق ہو کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور بالاتفاق یہ پیام پہنچایا کہ

''ہم سے نماز پڑھوا لو، مگر زکوٰۃ معاف کر دو!''

اُن کا پیام سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ سب نے یہ صلاح دی کہ نرمی مناسب وقت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس رائے میں شریک تھے۔ ان کے یہ الفاظ ہیں:

يَا خَلِيفَةَ رَسُولِ اللّٰهِ تَأَلَّفِ النَّاسَ وَ ارْفُقْ بِهِمْ.

''اے خلیفہ رسول اللہ! اِن لوگوں کے ساتھ تالیف قلوب اور نرمی کا برتاؤ کیجیے!''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

أَجَبَّارٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَ خَوَّارٌ فِي الْإِسْلَامِ إِنَّهُ قَدِ انْقَطَعَ الْوَحْيُ وَ تَمَّ الدِّيْنُ أَيَنْقُصُ وَ أَنَا حَيٌّ وَاللّٰهِ لَأُجَاهِدَنَّهُمْ وَ لَوْ مَنَعُوْنِيْ عِقَالًا.

''یہ کیا کہ تم جاہلیت میں تو بڑے سرکش تھے، مسلمان ہو کر ذلیل و خوار بن گئے۔ وحی کا سلسلہ قطع ہو گیا، دِین کمال کو پہنچ چکا، کیا میری زندگی میں اُس

1- دبا: ایک قدیم مشہور شہر یمن کا قریب ربذہ۔

کی قطع و برید کی جائے گی۔ واللہ! اگر (فرض زکوٰۃ میں سے) ایک رسی کا ٹکڑا دینے سے بھی لوگ اِنکار کریں گے تو مَیں جہاد کا حکم دوں گا۔"

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے کہ اِس کلام کو سن کر مجھ پر منکشف ہو گیا کہ اللہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ جہاد کے واسطے کشادہ کر دیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب مذکورُ الصدر سنا کر ایلچیوں کو ناکام واپس کر دیا۔ اِسی عرصہ میں جیشِ اُسامہ مدینہ سے روانہ ہو چکا تھا۔ قاصد واپس گئے، تو اُنھوں نے مسلمانوں کی بے سروسامانی اور قلت بیان کی۔ اِدھر قاصدوں کو رُخصت کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی حفاظت کا اِہتمام کیا۔ شہر کے ناکوں پر حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کو مقرر کیا۔ عام اہل مدینہ کو جمع کر کے حکم سنایا کہ

"عرب میں ارتداد پھیلا ہوا ہے، قاصد تمھاری حالت اپنی آنکھوں سے دیکھ گئے ہیں، دُشمن کے بعض حصے تم سے صرف ایک منزل کے فاصلے پر ہیں، معلوم نہیں تم پر کس وقت حملہ کر دیں۔ اُن کو اُمید تھی کہ ہم اُن کی درخواست منظور کریں گے، مگر وہ رد کر دی گئی، لہٰذا تم کو ہر وقت مسلح مسجد نبوی میں حاضر رہنا چاہیے۔"

اِس حکم کے مطابق تمام اہل مدینہ مستعد رہتے تھے۔ قاصدوں کی واپسی کے تیسرے دِن دُشمنوں نے مدینہ پر حملہ کیا۔ ایک حصہ فوج اُن کی مدد کے واسطے ذی حسی [1] میں تیار تھا۔ جب دُشمن کی جمعیت مدینہ کے ناکوں پر پہنچی تو محافظ ہوش یار تھے، اُنھوں نے حملہ روک کر امیر المومنین کے پاس اِطلاع بھیجی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہلا بھیجا کہ

"تم اپنی اپنی جگہ قائم رہو، مَیں فوراً موقع پر آتا ہوں۔"

1- ذی حسی ایک مقام ہے۔

چناں چہ اہل مدینہ کی جمعیت لے کر موقع پر پہنچے اور دشمنوں پر حملہ کیا۔ مسلمانوں کے حملے سے کفار کے قدم اُکھڑ گئے اور بھاگنا شروع کیا۔ مسلمانوں نے ذی حسی تک تعاقب کیا۔ وہاں کی فوج نے پہلے سے بہت سی مشکوں میں ہوا بھر رکھی تھی، جیسے ہی مسلمان شتر سوار پہنچے وہ مشکیں سامنے لُوکا دیں، اونٹ قدرتاً اُس سے بہت ڈرتا ہے، مسلمانوں کے اونٹ ڈر کر پیچھے کو بھاگے اور مدینہ پہنچ کر دم لیا۔

مرتدوں نے خیال کیا کہ مسلمان بھاگ گئے، اِس سے اُن کی جرأت بڑھی۔ ذی حسی کی پشت پر جو فوج بہ مقام ذوالقصہ تھی اُس کو بھی آگے بلا لیا اور دُشمن کی کل جمعیت ذی حسی میں مدینہ کے قریب جمع ہو گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُسی روز دوسرے حملے کا اِنتظام کیا اور شباشب کوچ کر کے صبح ہوتے ہوتے مرتدوں کے لشکر پر چھاپہ جا مارا۔ طلوعِ آفتاب کے وقت دُشمن کو ہزیمت ہوئی، سردارِ لشکر حبال (جو طلیحہ مدعی نبوت کا قوتِ بازو تھا) مارا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ذوالقصہ تک تعاقب کیا، وہاں حضرت نعمان بن مقرن کو مع ایک حصہ فوج کے متعین کیا اور خود مدینہ کو واپس چلے آئے۔

اِس شکست سے کفار کا جوش زیادہ بڑھا اور تمام قبائل نے اپنے اپنے یہاں کے مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں دے کر قتل کرنا شروع کیا، اعضا کاٹتے تھے، آگ میں زندہ جلاتے تھے۔ اوّل قبیلہ ذبیان و عبس نے یہ سفا کی شروع کی، پھر اُن کے قرب وجوار کے تمام قبیلوں میں پھیل گئی۔ جب اِن مظالم کی اِطلاع حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو اُنھوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ

"مسلمانوں کے مصائب کا بدلہ لیا جائے گا۔"

ذوالقصہ کی فتح کا مسلمانوں پر یہ اثر ہوا کہ تمام قبائل میں جس قدر مسلمان تھے وہ اِسلام پر زیادہ شدت سے قائم ہو گئے اور اُن میں تازہ جوش و عزم پیدا ہو گیا۔ بعض قبائل نے زکوٰۃ کا روپیہ بھیج دیا۔ غرض مختلف تدابیر سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مدینہ

کی حفاظت فرماتے رہے، یہاں تک کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر مدینہ واپس آ گیا۔
ان کو حفاظت مدینہ پر مامور کر کے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

"اب تم آرام لو! ہم دشمن کے مقابلہ پر جاتے ہیں۔"

بقیہ فوج فراہم ہوئی اور اس کے امیر خود خلیفہ رسول اللہ بنے۔

مسلمانوں نے یہ دیکھ کر کہا کہ آپ خود مہم پر نہ جائیں، اگر آپ کو صدمہ پہنچ گیا تو اسلام کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور کسی کو سردار مقرر کر کے بھیجیے، وہ کام آئے تو دوسرا مقرر ہو۔ مگر یہ صلاح پذیرا نہ ہوئی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ لشکر کو ہمراہ لے کر ذو القصہ ہوتے ہوئے پرگنہ ربذہ (1) کے ابرق نامی مقام پر پہنچے وہاں دشمن سے مقابلہ ہوا، اہل ایمان فتح یاب ہوئے۔ فرمانِ خلافت کے مطابق ابرق مجاہدین کے گھوڑوں کی چراگاہ بنا دیا گیا۔

لشکر اُسامہ آرام لے چکا تھا، زکوٰۃ کا روپیہ زیادہ مقدار میں وصول ہونے لگا تھا، اس لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تہیہ فرمایا کہ مرتدوں کا اِستیصال پوری طرح کر دیا جائے۔ بعد فتح نواحِ ابرق میں قیام کر کے تمام مرتد قبائل کے مقابلہ کا اِنتظام فرمایا۔ گیارہ فوجیں مامور کی گئیں کہ مختلف حصص ملک میں جا کر دشمنانِ اِسلام کا مقابلہ کریں۔

اُس زمانہ میں ملازمت کا سلسلہ نہ تھا، مسلمانوں کے تمام کام محض رضائے اِلٰہی کے واسطے ہوتے تھے، فوج کا اِنتظام بھی رضا کار تھا۔ اِجتماع لشکر کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص امیر لشکر مقرر ہو کر مہم پر مامور ہوتا تھا اور اس کی ہم راہی کے واسطے قبائل نامزد ہو کر احکام جاری کیے جاتے تھے۔ زمانۂ رسالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے اور دورِ خلافت میں خلفا اپنے ہاتھ سے نشان بنا کر سردار کو دیتے۔ اس نشان کو لے کر امیر پڑاؤ پر خیمہ زن ہوتا اور میعادِ معین کے اندر سپاہ نشان کے نیچے آ کر فراہم ہو جاتی یا یہ ہوتا کہ امیر نشان لے کر نامزد شدہ قبائل کے قریب سے روانہ ہوتا

1- ربذہ ایک گاؤں مدینہ سے ۳ میل

اور ہر قبیلہ کے فوجی جوان اُس کے ساتھ ہوتے جاتے۔ ہتھیار سواری وغیرہ کی مدد خزانہ سے کی جاتی، نیز سپاہی اپنے ہتھیار خود ہم راہ لاتے، اُس زمانہ میں عرب کا بچہ بچہ ہتھیاروں سے آراستہ تھا۔

اسی طرح بہ مقام ذوالقصہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گیارہ نشان تیار کر کے اُمرائے لشکر کو دیے اور اُن کی مدد کے واسطے قبائل مقرر فرمائے۔ ہر سردار کو اُس کی مہم اور طرزِ عمل کی بابت پوری ہدایتیں دی گئیں تھیں یعنی وہ کس دُشمن کا مقابلہ کرے؟ اُس سے فارغ ہو کر کس طرف بڑھے؟ کون سا لشکر کس کی مدد کرے؟ علیٰ ہذا القیاس۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ طلیحہ کے مقابلہ پر مامور ہوئے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ مسیلمہ کے مقابل، اسود عنسی کی مہم پر مہاجرین آل زبیر وغیرہ وغیرہ۔ خاص ہدایات کے علاوہ بعض عام احکام تھے جو کل اُمرا کے واسطے دستورُ العمل تھے۔ ہر فوج کے ساتھ ایک فرمانِ خلافت تھا جس میں مخالفین سے خطاب کیا گیا تھا اور اُن کو مخالفت سے باز آنے اور مسائل اِسلام کی جانب رُجوع کرنے کی ہدایت و ترغیب تھی۔ اُس میں یہ بھی درج تھا کہ

''فلاں سردار مہاجرین وانصار و تابعین کا لشکر لے کر تمہارے مقابلہ پر آتا ہے اس کو یہ حکم ہے کہ اول کسی سے وہ قتال و جنگ نہ کرے، بلکہ دعوتِ اِسلام دے، جو قبول کرے اُس کو امن بخشی جائے، جو عناد پر قائم رہیں اُن سے لڑے اور پوری شدت کے ساتھ لڑے۔''

اِس فرمان کی بابت حکم تھا کہ

''لشکر کے آگے آگے قاصد لے کر جائیں اور لشکر پہنچنے سے پہلے مجمع عام میں پڑھ کر سنائیں۔ ذریعہ اِجتماع اذاں ہو، جو لوگ اذان سن کر فراہم ہو جائیں ان کو احکامِ خلافت سنائے جائیں، جو جمع نہ ہوں اُن سے مقابلہ کیا جائے۔''

علاوہ فرمانِ بالا کے ایک اور مراسلہ ہر لشکر کے ساتھ تھا جس میں سردار لشکر کے

واسطے احکام تھے۔

تمام مہمات کا بیان باعث طول ہوگا، اِس لیے صرف دو مہموں کا ذکر کیا جاتا ہے، ایک میں نمونۂ آشتی ہے، دوسرے میں نمونۂ رزم۔

مہم قبیلہ طی (نمونۂ آشتی):

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا تقرر طلیحہ مدعی نبوت کے مقابلہ پر ہوا تھا۔ مدعی مذکور کے ساتھ عوام قبیلہ طے کا بڑا مجمع تھا، اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو اوّل روانہ کیا کہ اپنے قبیلہ کو فہمائش کر کے تباہی سے بچائیں۔

آگے آگے حضرت عدی رضی اللہ عنہ اور اُن کے پیچھے لشکر اِسلام روانہ ہوا۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے منزلِ مقصود پر پہنچ کر اپنے قبیلہ کو جمع کیا اور فہمائش کی، لیکن بے سود، دوبارہ پھر سمجھایا، اِس مرتبہ نصیحت کارگر ہوئی۔ وعدۂ اِطاعت کے ساتھ اُنھوں نے یہ درخواست کی کہ ہم کو اِتنی مہلت دی جائے کہ اپنے اہل وعیال کو طلیحہ کے لشکر سے نکال لائیں، ورنہ ہماری اِطاعت کی اُن پر مصیبت پڑے گی، ہماری واپسی تک خالد رضی اللہ عنہ کا لشکر روک دیا جائے۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے یہ پیام حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو پہنچایا، تین روز کی مہلت منظور ہوئی۔ اِس عرصہ میں قبیلہ طے کے آدمی اپنے اہل وعیال کو لشکر طلیحہ سے ترکیب کے ساتھ لے آئے اور تجدید اِسلام کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوگئے۔ اِس طرح یہ مہم حسن وخوبی کے ساتھ بغیر خوں ریزی کے طے ہوگئی۔

مہم طے کے ختم ہونے کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے قبیلہ جدیلہ کی طرف رخ کیا۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قبیلہ طے مثل ایک پرندہ کے ہے جس کا ایک بازو جدیلہ ہے، مجھ کو اِجازت دو کہ اُن کو جا کر فہمائش کروں۔ اِجازت ملی اور حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے کوشش بلیغ کے ساتھ سمجھایا۔ نتیجہ حسب مراد نکلا۔

جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس مہم سے فارغ ہو کر آگے بڑھے تو قبیلہ طے کے ایک ہزار سوار ان کے ہم رکاب نصرتِ اِسلام کے لیے کمربستہ تھے۔ مؤرخین نے عدی

رضی اللہ عنہ کی مساعی کی تحسین اِن الفاظ میں کی ہے:

وَ كَانَ خَيْرَ مَوْلُوْدٍ وُلِدَ فِيْ اَرْضِ طَيٍّ وَ اَعْظَمَ بَرَكَةً عَلَيْهِمْ.

''وہ قبیلہ طے کے بہترین فرزند تھے جن کی وجہ سے برکت عظیم نازل ہوئی۔''

طلیحہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر شکست کھائی اور شام کو بھاگ گیا۔ وہاں پہنچ کر دوبارہ اِسلام لایا۔ ایک مرتبہ خلافت صدیقی کے زمانہ میں طلیحہ ادائے عمرہ کو مکہ جاتا تھا، جب مدینہ کے کنارے پر پہنچا تو کسی نے جھپٹ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اِطلاع کی کہ طلیحہ جا رہا ہے۔ سن کر فرمایا:

''اب وہ داخل اِسلام ہو چکا ہے، اُس سے کچھ تعرض نہیں کیا جا سکتا، جانے دو!''

خلافت فاروقی میں طلیحہ نے مدینہ آ کر بیعت کی۔

مسیلمہ کذاب (معرکہ رزم):

اگرچہ مرتدین کے تمام معرکے نہایت سخت اور حوصلہ فرسا تھے، مگر مسیلمہ کذاب کا معرکہ شدت وقوت میں سب سے بڑھ کر تھا۔ مسیلمہ کا قبیلہ بنو حنیفہ تھا اور وطن یمامہ واقع ملک نجد۔ اُس کا یہ دعویٰ تھا کہ

''مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شریک رسالت کر لیا ہے۔''

اِس دعوے کی تائید کے لیے نہار نامی ایک شخص اُس کے ہاتھ آ گیا۔ نہار نے مدینہ میں شرفِ حضوری سے مشرف ہو کر قرآن ومسائل دین کی تعلیم حاصل کی تھی، جب مسائل ضروری حاصل کر چکا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مامور فرمایا کہ یمن جا کر تائید اِسلام اور مسیلمہ کی تردید کی خدمت انجام دے۔ بدبخت یمن پہنچ کر مسیلمہ سے مل گیا اور بالاعلان شہادت دی کہ

''رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مَیں نے خود سنا ہے کہ مسیلمہ شریک نبوت ہے۔''

اِس سے ہزاروں آدمی گم راہ ہو گئے۔ اذان میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا

اعلان کیا جاتا تھا۔ جب مسیلمہ تکبیر کے وقت شریک نماز ہوتا تو مؤذن سے کہتا:

"اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ خوب زور سے کہو!"

مسجع مہمل عبارتیں لوگوں کو سناتا اور کہتا:

"یہ وحی ہے۔"

شراب وزنا کی حلت کا اعلان کر دیا تھا۔ ایسے اسباب سے مسیلمہ کا زور روز بہ روز ترقی کرتا رہا۔ جب مدعیہ نبوت سجاح سے مسیلمہ نے نکاح کر لیا تو اُس کے لشکر سے مسیلمہ کو مزید شوکت حاصل ہوئی۔

بارگاہِ خلافت سے دو لشکر مسیلمہ کے مقابلہ پر نامزد ہوئے تھے: ایک حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی زیرِ امارت، دوسرا حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں۔ اِن دونوں لشکروں نے یکے بعد دیگرے شکستیں کھائیں۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اِن ہزیمتوں کی اطلاع پہنچی تو دونوں شکست خوردہ امیروں کو دوسری مہموں پر مقرر کیا اور مسیلمہ کے مقابلہ کا حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو (جو مہم طلیحہ سے کامیابی کے ساتھ فارغ ہو چکے تھے) حکم دیا۔ اُن کی کمک کے واسطے تازہ دم جمعیت روانہ کی۔ اِس جمعیت میں انصار کے سردار حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اور مہاجرین کے امیر حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ (فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بھائی) بھی تھے۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ یمامہ پہنچے ہیں تو مسیلمہ کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار تک ترقی کر چکی تھی۔

مسیلمہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی آمد کی خبر سنی تو آگے بڑھ کر عقربا نامی مقام پر پڑاؤ کیا۔ اِسی میدان میں حق و باطل کا مقابلہ ہوا۔ جب دونوں جانب صفوفِ جنگ آراستہ ہو لیں تو سب سے اوّل نہار میدان میں آ کر مبارزہ طلب ہوا۔ حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ اُس کے مقابلہ پر گئے۔ بعد مقابلہ نہار مارا گیا۔ اس کے بعد عام لڑائی (1)

1- مؤرخ طبری نے اِس لڑائی کی بابت لکھا ہے: لم یلق المسلمون حربا مثلها قط۔ مسلمانوں کو اس سے زیادہ سخت معرکہ کبھی پیش نہیں آیا۔

شروع ہوئی۔ رن اِس زور کا پڑا کہ مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے اور جمعیت پریشان ہوگئی۔ مسیلمہ کے لشکر نے تعاقب کیا اور دباتا ہوا خود حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے خیمہ تک پہنچ گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بھی پیچھے ہٹنا پڑا۔ اُمّ تمیم رضی اللہ عنہا حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی بی بی خیمہ کے اندر تھیں۔ کفار نے اُن کو قتل کرنا چاہا۔ مجاعہ [1] نے روکا اور کہا:

نعمت الحرة هذه.

''یہ بہت اچھی آزاد بی بی ہیں۔ عورتوں کو کیا مارتے ہو، مردوں کا مقابلہ کرو!''

یہ سن کر مسیلمہ کے سپاہی خیمہ کی طنابیں کاٹ کر ہٹ گئے۔ اِس نازک اور حوصلہ فرسا موقع پر مسلمان اُمرائے لشکر نے اپنی شکست خوردہ فوج کی جمعیت قائم کرنے کی کوشش جس قوتِ ایمانی کے ساتھ کی وہ قیامت تک صفحاتِ تاریخ پر یادگار رہے گی۔ اُنھوں نے یکے بعد دیگرے جانیں مردانہ وار اِسلام پر قربان کر کے فوج کو غیرت دلائی اور آخر کار کامیاب ہوئے۔ حضرت قیس بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مفرورین کو مخاطب کر کے کہا:

بئسما عودتم انفسکم یا معشر المسلمین! اللّٰھم انی ابرا الیك مما یعبد ھؤلاء (یعنی اھل الیمامة) و ابرا الیك مما یصنع ھؤلاء (یعنی المسلمین) ھکذا عن حتی اریکم الجلاء۔

''اے گروہِ اہلِ اِسلام! تم نے اپنے نفوس کو بری عادت سکھائی۔ اے اللہ! مَیں تیرے سامنے اُن کے (یعنی اہلِ یمامہ کے) معبود سے اور اُن کی (یعنی مسلمانوں کی) اُس حرکت سے جو اِس وقت کر رہے ہیں اِظہارِ نفرت کرتا ہوں۔ مسلمانو! دیکھو! حملہ یوں کیا کرتے ہیں۔''

یہ کہہ کر حملہ کیا۔ ایک دُشمن کی ضرب سے اُن کا پاؤں کٹ گیا، وہی کٹا ہوا پاؤں

1- مجاعہ کفار کا سردار حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی قید میں تھا، اُس کی آسائش کی نگرانی اُمّ تمیم رضی اللہ عنہا کے سپرد تھی۔ حسن سلوک کا اثر تھا جو مجاعہ نے کہا۔

لے کر اِس زور سے مارا کہ اپنے حریف کا کام تمام کر دیا۔ خود بھی شہید ہو گئے۔

مسلمان ہٹتے ہٹتے جب اپنے خیموں سے بھی پیچھے ہٹ گئے، تو حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر اُن کو روکا:

لا تحوز بعد الرحال واللّٰہ لا اتکلم الیوم حتی انهزمهم او القی اللّٰہ فاکلمه بحجتی غضوا ابصارکم و عضوا علی اضراسکم و اضربوا فی عدوکم و امضوا قدما یا معشر المسلمین انتم حزب اللّٰہ و هم احزاب الشیطان و الغرة للّٰہ و لرسوله و لاحزابه ارونی کما اریکم فاصنعوا کما اصنع.

''خیموں سے ہٹ کر کہاں جاؤ گے! واللہ! آج مَیں اُس وقت تک کلام نہیں کروں گا کہ یا دشمن کو شکست دوں اور یا خدا کے سامنے پہنچ کر اپنی معذرت پیش کروں۔ اے لوگو! مصائب برداشت کرو، ڈھالیں تھام لو اور دُشمن پر جا پڑو اور قدم بڑھاؤ اور اے گروہ اہلِ اسلام کے! تم خدا کی جمعیت ہو، تمھارے دُشمن شیطانی لشکر، غلبہ خدا اور اُس کے رسول اور اُس کے انصار کے واسطے ہے۔ میری مثال کی پیروی کرو، جو مَیں کرتا ہوں وہی تم بھی کرو!''

یہ کہہ کر شمشیر بہ کف کفار پر حملہ کیا اور شہادت سے سرخ رُو ہوئے۔

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے للکار کر کہا:

یا اهل القراٰن زینوا القراٰن بالفعال.

(اے قرآن والو! قرآن کی زینت عمل سے بڑھاؤ!)

یہ کہہ کر دُشمن پر ہلہ کیا اور شہید ہوئے۔

حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت براابن مالک رضی اللہ عنہ (حضرت انس رضی اللہ عنہ خادمِ رسول اللہ کے بھائی) آگے بڑھے، اُن کی عادت عجیب تھی، جب میدانِ

جنگ کا عزم کرتے، بدن پر لرزہ تاری ہوتا، آدمی ان کو دبا لیتے۔ جب یہ حالت گذر لیتی تو میدانِ جنگ میں آ کر شیر کی طرح بپھرتے۔ اُس روز بھی یہی ہوا۔ مسلمانوں کی شکست دیکھ کر اُن کو جوش آیا اور لرزہ سے فارغ ہو کر میدان میں پہنچ کر للکارے:

این یا معشر المسلمین! انا البراء بن مالك هلم اتی.

''اے گروہِ مسلمین! کدھر کا اِرادہ کیا، مَیں برا ابن مالک ہوں، میری طرف آؤ!''

اِن ترغیبوں اور شہادتوں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے ایک گروہ* نے میدان کی طرف پلٹ کر تازہ جوش کے ساتھ پھر حملہ کیا۔ اِس حملے سے دُشمن کے قدم ڈگمگا گئے اور اُس مقام تک ہٹ گیا جہاں مسیلمہ کا مشہور سردار محکم بن الطفیل اپنی قوم کو لیے کھڑا تھا۔ اُس نے للکار کر اپنے لشکر کو غیرت دلائی اور مسلمانوں پر حملہ کیا۔ عین اسی حالت میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی شست سے تیر قضا چھوٹا جس نے محکم کی گردن میں لگ کر کام تمام کر دیا۔ اِس سے مسلمانوں کی ہمت اور زیادہ بڑھی اور زور سے ہلہ کیا اور اعدا کو حدیقہ تک ہٹا لے گئے۔ یہ مقام چار دیواری سے محصور تھا اور اُس کے وسط میں مسیلمہ قلب لشکر میں قدم جمائے کھڑا تھا۔ دُشمنوں نے حدیقہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔

حضرت برا ابن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

''مجھ کو اُٹھا کر اندر پھینک دو!''

مگر کسی نے اِس کی جرأت نہ کی۔ آخر اُنھوں نے قسم دلائی، مجبور ہو کر لوگوں نے اُن کو اُٹھا کر دیوار پر پہنچا دیا۔ وہ نیچے کودے اور جاں بازی کر کے دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھل جانے پر مسلمانوں نے حملہ پر حملہ کیا، مگر مسیلمہ نے جگہ سے جنبش نہیں کی۔ یہ دیکھ کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو ترتیب سے قائم کیا اور حکم دیا کہ

''ہر قبیلہ الگ الگ ہو کر اپنے اپنے نشان کے نیچے لڑے، تا کہ ہم دیکھیں

کہ ہماری کم زوری کس گروہ کی وجہ سے ہے۔"

اِس حکم پر ہر قبیلہ سمٹ کر اپنے نشان کے نیچے آ گیا اور نہایت بے جگری کے ساتھ دوبارہ حملے شروع ہوئے۔ اب لڑائی اِس قدر شدید ہوئی کہ پہلے معرکے گرد ہو گئے۔ سب سے زیادہ نقصان گروہِ مہاجرین و انصار کو پہنچا۔ اِن حملوں پر بھی مسیلمہ ثابت قدم رہا، وہ وسط لشکر میں مرکز کارزار بنا ہوا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اِس حالت کو جانچا اور فیصلہ کیا کہ جب تک مسیلمہ کا خاتمہ نہ ہوگا لڑائی ختم نہ ہوگی۔ یہ خیال کر کے خود صف سے نکلے اور حریف مقابل طلب کیا۔ اُس شمشیر برہنہ کے سامنے جو آیا اُڑ گیا۔ آخر صفوں کو چیرتے اور مقابلہ کرنے والوں کو کاٹتے ہوئے مسیلمہ تک جا پہنچے اور اُس سے گفتگو کر کے حملہ کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہلہ سے مسیلمہ کے قدم ڈگمگائے اور اُس کے لشکر میں فی الجملہ تزلزل پیدا ہوا۔ یہ دیکھ کر سپہ سالارِ اسلام نے للکار کر کہا:

"مسلمانو! ثابت قدم رہو، ایک مردانہ ہلہ اور دُشمن کو مار لیا۔"

اِس للکار پر جو حملہ حق پرستوں نے کیا وہ اِتنا زبردست تھا کہ مسیلمہ کا لشکر تاب نہ لا سکا، قدم اُکھڑ گئے اور میدان سے بھاگنے لگا۔

جب اہل اِرتداد کو ہزیمت ہوئی تو لوگوں نے مسیلمہ سے کہا کہ

"آخر آسمانی مدد کے وعدوں کا کیا حشر ہوا؟"

اُس نے جواب دیا کہ

"اپنا ننگ و ناموس بچانا ہے تو بچا لو!"(1)

اِسی حالت میں وحشی رضی اللہ عنہ (قاتل حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ) نے اپنا حربہ پھینک کر مسیلمہ کے مارا جس کے صدمے سے وہ گرا۔ گرا تو ایک انصاری نوجوان نے سر کاٹ لیا۔

1- مسیلمہ کے باطل پرست ہونے کی یہ بین دلیل ہے کہ وہ ہمیشہ ننگ و ناموس کی غیرت دلا کر فوج کو لڑاتا تھا، اگر حق پرست ہوتا تو حق کا واسطہ دیتا۔

دُشمن کی فوج میں شور پڑ گیا کہ مسیلمہ کو ایک حبشی (1) نے مار ڈالا۔ یہ سن کر اہلِ باطل کے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے اور بے تحاشا بھاگے۔ لشکرِ اسلام مظفر و منصور ہوا۔

مؤرّخ طبری نے لکھا ہے کہ حدیقہ کے قرب و جوار میں دس ہزار مرتد مارے گئے، اِس لیے اُس کا نام ''حدیقۃ الموت'' مشہور ہے۔

مسیلمہ کے قتل کی خبر سن کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ اُس مقام پر آئے جہاں وہ مارا گیا تھا اور لاش تلاش کی، مجاعہ پا بہ جولاں ساتھ تھا اُس نے پہچان کر بتائی، کوتہ قد، زرد رُو، لانبی ناک کا آدمی تھا۔

اِس معرکہ میں مدینہ کے مہاجرین و انصار تین سو اور بیرونِ مدینہ کے تین سو شہید ہوئے، باقی مسلمان ان کے علاوہ۔ بعد فتح حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مدینہ کو مژدۂ فتح بھیجا، قاصد کے ساتھ بنی حنیفہ کا وفد بھی تھا۔ جب یہ وفد مدینہ پہنچا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا:

''افسوس تمہارے حال پر! تم کس وبال میں مبتلا ہو گئے۔''

شرمندگی سے جواب دیا:

''آپ نے جو کچھ سنا، سچ ہے۔''

پوچھا:

''آخر اُس کی تعلیم کیا تھی؟''

کہا:

''اُس کی وحی کا نمونہ یہ ہے:

یا ضفدع نقی نقی لا الشارب تمنعین و لا الماء تکدرین،

لنا نصف الارض و لقریش نصف و لکن قریشا قوم یعتدون.

اے مینڈک! تو پاک ہے، پاک۔ نہ پانی پینے والوں کو روکتا ہے نہ پانی

1- وحشی کا وطن حبش تھا۔

کو گدلا کرتا ہے۔ آدھا ملک ہمارا اور آدھا قریش کا، لیکن قریش تو ظالم قوم ہیں۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کلام بلاغت نظام سن کر کہا:

سبحان اللہ ویحکم ا ھذا الکلام ما خرج من الّ و لا برّ، فاین یذھب بکم.

"سبحان اللہ! تمھارے حال پر افسوس! کیا یہی کلامِ الٰہی ہے۔ یہ کلام تو شانِ ربانی نہیں رکھتا، تم کو کہاں کھینچ لے گیا۔"

خلاصہ یہ کہ مسلمانوں نے اِسی طرح ہر موقع پر جاں بازی کے جوہر دکھائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہ اِستثنا بعض خفیف مہموں کے اہل ردّہ کے تمام معرکے ۱۱ ہجری میں ختم ہو گئے اور ۹ مہینہ کے قلیل عرصہ میں وہ سیلاب فرو ہو گیا جو نواحِ مدینہ سے لے کر بحرین و عمان تک پھیلا ہوا تھا۔ فَجَزَی اللّٰہُ اَبَابَکْرٍ وَ جُنُوْدَہٗ عَنِ الْمُسْلِمِیْنَ خَیْرَ الْجَزَاءِ۔

مہم عراق:

طوفانِ اِرتداد کے فرو ہو جانے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنی توجہ اُن دو زبردست دشمنوں کی جانب مائل کی جو مسلمانوں کو گھیرے ہوئے اِسلام کی تباہی کی فکر میں تھے یعنی روم و فارس۔ خلیفہ رسول اللہ کو کس قدر اہتمام اِن مہموں کا تھا واقعہ ذیل سے معلوم ہوتا ہے:۔

اُس زمانہ میں جب کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ مذکورہ بالا مہموں کے اِنتظام میں مصروف تھے، ایک صحابی نے اپنے قبیلہ کا کوئی معاملہ پیش کرنا چاہا۔ غصہ ہو کر جواب دیا کہ

"مَیں تو اُن دو شیروں کے زیر کرنے کی فکر میں ہوں جو مسلمانوں کی تاک میں ہیں اور تم میری توجہ معمولی کاموں کی جانب مائل کرتے ہو۔"

۶ ہجری کے آغاز میں حضرت سرورِ عالم ﷺ نے دعوتِ اسلام کے مراسلے سلاطینِ عالم کے نام جاری فرمائے، تو ایک مراسلہ خسرو پرویز بادشاہِ ایران کے پاس بھی روانہ فرمایا۔ قاصد حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ تھے۔ نامہ شریف حسبِ ذیل تھا:

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم۔ من محمد رسول اللّٰه الٰي كسرٰى عظيم فارس۔ سلام علٰي من اتبع الهدٰى و امن باللّٰه و رسوله و اشهد ان لا اله الا اللّٰه وحده لا شريك له و ان محمدا عبده و رسوله و ادعوك بدعاء اللّٰه فاني رسول اللّٰه الى الناس كافة لانذر من كان حيا و يحق القول على الكافرين فاسلم تسلم فان ابيت فان اثم المجوس عليك.

"شروع خدا کے نام سے بڑا مہربان بخشنے والا ہے۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ بادشاہ فارس کے نام۔ اُس کو سلام جو سیدھی راہ پر چلے اور خدا اور اُس کے رسول پر ایمان لائے اور مَیں اِس امر کی گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود سوا خدا کے نہیں ہے، وہ یگانہ ہے، کوئی اس کا شریک نہیں اور محمد اس کا عبد و رسول ہے۔ اور مَیں تجھ کو خدا کا فرمان پہنچاتا ہوں اِس لیے کہ مَیں تمام انسانوں کے پاس اُس کا ایلچی ہو کر آیا ہوں۔ میری رسالت کا مقصود یہ ہے کہ جن کے دِل زندہ ہیں اُن کو خدا سے ڈراؤں اور جو اِنکار پر قائم رہیں اُن پر حجت اِلٰہی تمام ہو۔ تو اِسلام لے آ! سلامت رہے گا۔ اگر اِنکار کرے گا، مجوس کا گناہ تیری گردن پر رہے گا۔"

خسرو نے فرمانِ مبارک پڑھ کر پارہ پارہ کر دیا اور باذان صوبہ دار یمن کو لکھا کہ دو تیز رو آدمی بھیجو تا کہ حجاز میں جو شخص ہے اُس کو پکڑ کر یہاں لے آئیں۔ باذان نے اپنے قہرمان بابویہ کو (جو اُس کا منشی اور فارسی خط کتابت میں ماہر تھا) اور خرخرہ نامی ایرانی کو مدینہ بھیجا اور ایک تحریر آپ ﷺ کے نام اس مضمون کی بھیجی کہ اِن دو آدمیوں

کے ساتھ خسرو کے پاس چلے آؤ!

قاصد بہ راہِ طائف مدینہ پہنچے۔ عرب میں اِس سفارت کی بڑی شہرت ہوئی اور قریش اِس خیال سے بہت خوش ہوئے کہ اب شہنشاہِ ایران کی بہ دولت مسلمانوں کی مصیبت سے نجات مل جائے گی۔ خدمت مبارک میں حاضر ہوکر بابویہ نے سلسلہ کلام یوں شروع کیا:

"شہنشاہ ملک الملوک کسریٰ کا شاہِ یمن کو یہ حکم ہے کہ تم کو اُس کے پاس بھیج دے۔ مَیں بادشاہِ یمن کا فرستادہ ہوں۔ اگر تم میرے ساتھ چلو گے تو شاہِ یمن تمھاری سفارش شہنشاہ کے دربار میں کرے گا جس سے تم کو نفع پہنچے گا۔ اگر چلنے سے اِنکار کرو گے تو تم شاہِ یمن کو جانتے ہو وہ تم کو اور تمھارے ملک کو برباد کردے گا۔"

اِن قاصدوں کی داڑھی منڈی ہوئی تھی، مونچھیں بڑی بڑی تھیں۔ حضرت سرورِ عالم ﷺ نے اُن کے چہرے کی طرف بہ نگاہِ نفرت دیکھا اور فرمایا:

"افسوس تم پر! تم نے یہ صورت کس کے حکم سے بنائی ہے؟

جواب دیا کہ

"اپنے پروردگار کسریٰ کے حکم سے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"مگر میرے پروردگار کا مجھ کو یہ حکم ہے کہ داڑھی بڑھاؤں اور مونچھیں تراشوں۔ اچھا، اب ٹھہرو! کل میرے پاس آنا۔"

دوسرے روز طلب کر کے فرمایا کہ

"تمھارے کسریٰ کو اُس کے بیٹے شیرویہ نے فلاں شب قتل کردیا، جاؤ اور اپنے آقا کو خبر دو اور کہہ دو کہ میرا دین اور میری حکومت عن قریب ملک کسریٰ میں پہنچتی ہے اور دُنیا کے کناروں پر جا کر ٹھہرے گی۔ یہ بھی کہہ

دینا کہ اگر تم اسلام لے آؤ گے تو تمھارا ملک، تمھارا تخت چھوڑ دیا جائے گا
اور اپنی قوم پر حاکم رہو گے۔"

یہ فرما کر خرخرہ کو ایک طلائی پیٹی (جو کسی بادشاہ نے بہ طور تحفہ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجی تھی) عطا فرمائی اور رخصت کر دیا۔ باذان نے جب کلام مبارک سنا تو کہا:

"خدا کی قسم یہ بادشاہوں کا سا کلام نہیں ہے، اِس کا قائل نبی معلوم ہوتا ہے۔"

چند روز کے بعد خسرو کے قتل اور شیرویہ کے تخت نشینی کی خبر باضابطہ یمن میں آ گئی۔ شیرویہ نے یہ بھی لکھا کہ نبی عربی سے کچھ مزاحمت نہ کی جائے، آخر عہد نبوت میں باذان نے اسلام قبول کر لیا اور جو ایرانی یمن میں تھے وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

خسرو پرویز کے قتل کے بعد ایران میں خانہ جنگی و بدنظمی کا دور دورہ رہا، چند ہی سال کے عرصے میں بارہ تیرہ بادشاہ تخت نشین ہوئے جن میں بعض عورتیں بھی تھیں۔ اس تغیر وتبدل سے بدامنی وفساد کا دائرہ وسیع ہو گیا تھا۔ خلافت صدیقی میں ایران کی طرف سے حاکم عراق ہرمز تھا جس کو عربوں سے سخت عداوت تھی اور ہمیشہ برسر پرخاش رہتا، اہل عرب بھی اس سے نفرت کرتے تھے یہاں تک کہ اس کی سختی اور شرارت ضرب المثل ہو گئی: **اکفر من ھرمز واخبث من ھرمز۔**

اہل ایران کے مظالم سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کی فکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ابتدا سے تھی، لیکن کچھ روز ارتداد کے انسداد کی وجہ سے مہلت نہ ملی۔ اِسی عرصے میں حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ عراق سے مدینہ آئے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ

اگر آپ مجھ کو میرے قبیلے کی امارت پر مقرر کر دیں تو میں مسلمانوں کو اُن اہل ایران کے شر سے محفوظ رکھ سکتا ہوں جو میری سرحد پر ہیں۔"

یہ درخواست منظور ہوئی اور حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے عراق واپس جا کر ایرانیوں سے آویزش شروع کی۔ اِس طرح ایک حد تک اُدھر کی بے اعتدالیوں کا سدباب ہو گیا۔ آخرکار اہل ارتداد کی طرف سے اطمینان حاصل ہوا۔ یمامہ کی مہم سر ہوئی، مسیلمہ کام آیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو طلب کر کے دس ہزار فوج کے ساتھ اہل فارس کے مقابلے پر مقرر کیا۔ علاوہ اس لشکر کے آٹھ ہزار سپاہ حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ وغیرہ اُن چار سرداروں کے پاس اور تھی جو پہلے سے مامور تھے۔ اِس طرح جملہ اٹھارہ ہزار فوج مہم عراق پر متعین ہوئی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو یہ ہدایت تھی کہ عراق کے نشیبی حصے سے بڑھ کر اوّل اُبلّہ پر حملہ کریں، یہ مقام اس موقع کے متصل تھا جہاں اب بصرہ آباد ہے۔ اُس زمانے میں ہندوستان کا وہی بندر تھا اور اُس کے ذریعہ ہرمز سمندر میں ہندوؤں کے ساتھ لڑتا رہتا تھا، دوسرے لشکر کو حکم تھا کہ عراق کے بالائی حصے سے حملہ آور ہو اور دونوں لشکر فتح کرتے ہوئے حیرہ [1] پر آ کر مل جائیں اور شہر مذکور پر متفقہ حملہ کریں۔ جو سردار لشکر وہاں اوّل پہنچے وہی تمام فوج کا امیر ہو گا۔ جب حیرہ فتح ہو جائے تو ایک حصہ لشکر وہاں قیام کر کے عقب کی حفاظت کرے۔ دوسرا حصہ خدا اور مسلمانوں کے دُشمن اہل فارس کے دارُالسلطنت مدائن پر بڑھے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو یہ بھی ہدایت تھی کہ زراعت پیشہ رعایا کو پریشان نہ ہونے دیں، امن کے ساتھ بہ دستور اَراضی پر قابض رکھیں اور کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائیں، مقابلہ صرف اُن لوگوں سے کیا جائے جو میدان میں آ کر لڑیں۔ اِس ہدایت کا تمام مہماتِ عراق میں پورا لحاظ رکھا گیا۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی مہم محرم الحرام ۱۲ ہجری میں روانہ ہوئی۔ حسب ہدایت اول اُبلہ کی جانب رُخ کیا، یہ بندر اِیران کے تمام بندرگاہوں سے زیادہ پُرشوکت اور مستحکم تھا۔ ہرمز سلطنت فارس کے اوّل درجہ کے اُمرا میں تھا جس کی علامت یہ تھی کہ لاکھ روپے کی قیمت کا تاج پہنتا تھا۔ لڑائی سے پہلے حسب ذیل خط ہرمز کے نام بھیجا گیا:

اما بعد اسلم تسلم و اعتقد لنفسك و قومك الذمة و اقرر بالجزية و الا فلا تلومن الا نفسك فقد جئتك بقوم يحبون

1- حیرہ کوفے سے تین منزل تھا۔ خورنق عمارت مشہور اسی شہر میں تھی۔

الموت کما تحبون الحیٰوۃ۔

''بعد حمد وثنا، اِسلام لے آؤ! سلامت رہو، ورنہ اپنی طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے جزیہ کا اِقرار کر کے مسلمانوں کی پناہ میں آجاؤ! یہ بھی نہیں تو پھر تمھارا ہی قصور ہے۔ مَیں وہ آدمی لے کر آیا ہوں جن کو موت ایسی پیاری ہے جیسے تم کو زندگی۔''

ہرمز نے یہ خط پڑھ کر کسریٰ اور ولی عہد کو اِطلاع کی اور فراہمی لشکر کا اِہتمام شروع کیا۔ چند ہی روز میں نہایت سرعت کے ساتھ ''اُڑان کمپو'' (سرعان صحابہ) لے کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے مقابلے پر روانہ ہوا۔ اوّل کواظم پہنچا، معلوم ہوا کہ مسلمان حفیر میں ہیں، وہاں پہنچا تو سپہ سالارِ اسلام نے لشکر کاظمہ میں لا ڈالا، ہرمز کو کاظمہ آنا پڑا، اِس تگ ودو میں اِیرانی لشکر خوب خستہ ہوگیا۔

کاظمہ کے پڑاو پر آتش پرست فوج پانی کے کنارے مقیم ہوئی۔ مجوسیوں نے بھاگنے کے خوف سے اپنے آپ کو زنجیروں سے جکڑ لیا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ ہرمز کی آمد کی خبر سن کر مقابلے پر آئے۔ لشکر اِسلام کے اُترنے کے واسطے وہ جگہ باقی تھی جہاں پانی نہ تھا۔ مسلمانوں کو تامل ہوا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے منادی کرادی کہ یہیں اُترو اور لڑ کر پانی پر قبضہ کرلو!

فلعمری لیصیرن الماء لاصبر الفریقین و اکرم الجلدین۔

''میری جان کی قسم! پانی اُس کا ہے جو دونوں حریفوں میں زیادہ ثابت قدم اور جواں مرد ثابت ہو۔''

یہ سن کر مسلمانوں نے وہیں پر سامان اُتار دیا۔ اُدھر سامان اُتارا تھا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حملہ کا حکم دیا، میدانِ کارزار گرم ہونے پر ہرمز نے دھوکے سے چند آدمی کمین گاہ میں چھپا کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اپنے مقابلے پر طلب کیا۔ یہ جیسے پہنچے ویسے ہی آدمیوں نے نکل کر وار کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اُن کا وار خالی دیا اور دلیرانہ ہرمز

پر حملہ کر کے کام تمام کر دیا۔

ہرمز کے قتل کے بعد معرکہ جنگ میں اور زیادہ شدت ہوئی۔ بہت سے کشت و خون کے بعد ایران کے لشکر نے ہزیمت پائی۔ مسلمان مظفر و منصور ہوئے۔ رات تک مفرورین کا تعاقب ہوتا رہا۔ زنجیریں میدان میں سے فراہم کی گئیں تو ایک شتر بار (تخمیناً ساڑھے سات من) نکلیں۔ اِسی وجہ سے اِس معرکہ کا نام ذات السلاسل ہے۔

مدینہ مژدۂ فتح پہنچا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہرمز کا تاج حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ اِسلام کا مسئلہ ہے کہ خاص خاص معرکہ ہائے جنگ میں جو مسلمان اپنے حریف کو قتل کرے اُس کے بدن کا سامان وہی لے لے۔ مالِ غنیمت کے ساتھ ایک ہاتھی بھی مدینہ آیا اور خلیفہ کے حکم سے شہر میں پھرایا گیا۔ بڑھیاں دیکھتیں اور حیرت سے کہتیں:

امن خلق الله ما نری۔

''کیا جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، خدا کی مخلوق ہے!''

گشت کے بعد عراق کو واپس بھیج دیا گیا۔ حفیر کی جنگ کے بعد مدار کا معرکہ پیش آیا۔ یہ واقعہ پہلے سے زیادہ شدید تھا۔ کسریٰ کے حکم سے تازہ دم فوجیں مدائن سے آکر اِس مہم میں شریک ہوئی تھیں۔ فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ اسی لڑائی میں خواجہ حسن بصری کے والد حبیب رضی اللہ عنہ گرفتار ہوئے تھے۔

خلاصہ یہ کہ یکے بعد دیگرے ولجہ، الیس، یوم المقر، حیرہ، عین التمر، دومۃ الجندل، ابنار، حصید، مضیح، ثنی، زمیل، فرض کے معرکے پیش رو سے زیادہ سخت تھے۔ عراق چوں کہ سلطنت فارس کا مستقر تھا اور مدائن دارُ السلطنت اسی صوبہ میں (قریب بغداد) واقع، اِس لیے اہل فارس نے نہایت جاں بازی و دلیری سے مقابلے کیے، لیکن حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ کی شمشیر براں کے سامنے ہر جگہ سر جھکانا پڑا۔ سپہ سالارِ اِسلام نے اس سرعت وجلادت سے حملے کیے کہ دُشمن کو دم لینے کی مہلت نہ ملی اور چند ہی روز میں میدان صاف ہو گیا۔ مؤرخ طبری نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی

نسبت لکھا ہے:

و کان قلیل الصبر اذا راٰہ او سمع بہ۔

یعنی جب وہ موقع جنگ دیکھتے یا لڑائی کی خبر سنتے تو پھر صبر نہ ہوتا۔

حیرت یہ ہے کہ باوجود اِس قدر مہمات سر کرنے کے اِسی قلیل زمانے میں اُنھوں نے ملکی اِنتظامات بھی کیے، عمّال مقرر کیے، وصولِ خراج کا بندوبست کیا، کاشت کاروں اور زمین داروں کو امن دے کر لگان کے معاہدے کیے۔ ایرانیوں نے شروع میں اِن فتوحات کو عرب کی معمولی لوٹ مار خیال کیا تھا، لیکن جب مسلمانوں کا عزم اور اِنصاف اور برتاؤ کی خوبی دیکھی تو اپنے اپنے گھروں میں بہ اِطمینان واپس آ گئے۔ ہر پرگنہ اور علاقہ کے باشندوں نے اپنے قائم مقام بھیج کر جزیے کے معاہدے کیے اور معاہدے کے بعد پورے اِطمینان کے ساتھ کاروبار میں مصروف ہو گئے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے دو فرمان یہاں نقل کیے جاتے ہیں جن سے اُس منصفانہ طرزِ عمل کا پتہ لگتا ہے، جو مسلمانوں نے عراق میں اِختیار کیا تھا۔

نقل فرمان بہ نام صلوبا لسوادی

بسم اللہ الرحمن الرحیم. من خالد بن الولید لابن صلو بالسوادی و منزلہ بشاطی الفرات. انك آمن بامان اللہ علی حقن ذمك باعطاء الجزیۃ و قد اعطیت عن نفسك و عن اھل خرجك عن جزیرتك و من كان فی قریتك بانقیاد و باروسماء الف درھم فقبلتھا منك و رضی من معی من المسلمین بھا منك ولك ذمۃ اللہ و ذمۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم و ذمۃ المسلمین علی ذٰلك و شھد ھشام بن الولید۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خالد بن ولید کی جانب سے بہ نام صلوبا لسوادی ساکن کنارۂ فرات۔ تو اللہ کی پناہ میں ہے۔ قبولِ جزیے کے بعد تیری

جان بخشی گئی۔ تو نے اپنی ذات، اپنی رعایا، اپنے جزیرے اور بانقیا داور باروسما کی جانب سے ایک ہزار درہم جزیہ دیا، میں نے اُس کو قبول کیا اور مسلمان میرے ساتھ ہیں اُنھوں نے اتفاق کیا۔ اُس کے عوض میں تو اللہ کی، محمد ﷺ کی اور مسلمانوں کی پناہ میں آ گیا۔ ہشام بن ولید گواہ ہوا۔"

اہل حیرہ کے نام معاہدہ ربیع الاول ۱۲ ہجری میں لکھا گیا:

بسم الله الرحمن الرحیم. هذا ما عاهد علیه خالد بن الولید عدیا و عمرو ابنی عدی و عمرو بن عبدالمسیح و ایاس بن قبیصة و خیری بن اکال و هم نقباء اهل الحیرة و رضی بذلك اهل الحیرة و امرهم به عاهدهم علی تسعین و مائة الف درهم تقبل فی کل سنة جزاءا عن ایدیهم فی الدنیا رهبانهم و قسیسهم الا من کان منهم علی غیر ذی ید جلیسا عن الدنیا تارکا لها و علی المنعة فان لم یمنعهم فلا شیء علیهم حتی یمنعهم و ان غدروا بفعل او بقول فالذمة منهم بریئة۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یہ وہ معاہدہ ہے جو خالد بن ولید نے عدی اور عمرو پسران عدی اور عمرو بن عبدالمسیح اور ایاس بن قبیصہ کے ساتھ کیا۔ یہ لوگ اہل حیرہ کے مقبولہ و مقرر کردہ قائم مقام ہیں۔ یہ قرارداد ہے کہ ہر سال ایک لاکھ نوے ہزار درہم بہ طور جزیہ وہ لوگ ادا کریں گے جو دُنیاوی مقدرت رکھتے ہوں اور رہبان اور قسیس، مگر وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو مفلس ہوں، دُنیا سے بالکل بے تعلق ہوں۔ بنیاد معاہدہ حفاظت ہے۔ اگر میں خالد بن الولید ان کی حفاظت نہ کروں، جزیہ کا کوئی جز واجب نہ ہوگا اور وہ (اہل حیرہ) قولاً یا فعلاً بدعہدی کریں تو ہماری پناہ سے نکل جائیں گے۔"

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فوجی اور ملکی انتظام کو ایک دوسرے سے علاحدہ رکھا تھا، فوجی افسر جدا تھے اور ملکی جدا۔ چناں چہ اوّل ہی لڑائی کے بعد جس میں ہرمز کام آیا فوج کا سردار حضرت سعید بن نعمان رضی اللہ عنہ اور ملکی حاکم سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ مقرر کیے گئے۔ سوید کو ہدایت کی گئی کہ اپنے ماتحت عمال وصول خراج کے واسطے مفصلات میں متعین کریں۔ جن پرگنوں کے باشندے مقابلے پر نہیں آئے، اُن سے کچھ مزاحمت نہیں کی گئی اور آشتی کے ساتھ لگان کا بندوبست کرلیا گیا، بانقیاد، باروسما وغیرہ اسی سلسلے میں تھے۔ حیرہ اور اُبلہ خراج کے صدر مقام تھے جو اُس وقت کی اِصطلاح میں سواد کہلاتے تھے۔ سواد، حیرہ کے ماتحت حسب ذیل پرگنے اور عامل خراج تھے:

نام پرگنہ	نام عامل
فلالیج (بلندی عراق)	عبداللہ ابن رثیمہ
بانقیا دو باروسما	جریر بن عبداللہ
نہرین	بشیر بن خصاصہ
روذمستان	اُط بن ابی اُط

سواد اُبلہ کے حاکم مال سوید بن مقرن کے نائب حسب ذیل عمال تھے:

حلہ حبطی، حصین بن ابی الخیر، ربیعہ بن عسل۔

خوبی اِنتظام کی شہادت اِس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ پچاس دن کے اندر حصہ مقبوضہ کا مقررہ خراج وصول ہو کر داخل خزانہ ہوگیا۔ اس روپیہ سے مسلمانوں کو آئندہ مہمات میں بہت مدد ملی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا اُصولِ عمل یہ تھا کہ جہاں پہنچتے تھے اوّل تبلیغ اسلام کرتے تھے، بہ صورتِ عدم قبول جزیہ طلب کرتے تھے، اِس سے بھی اِنکار ہوتا تو اِعلانِ جنگ کیا جاتا۔ چناں چہ حیرہ کے معرکے سے پہلے جب اشراف اہل فارس بہ سرگروہی قبیصہ بن ایاس نائب کسریٰ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، تو اُنھوں نے کہا:

ادعوکم الی الاسلام فان اجبتم فانتم من المسلمین لکم ما لهم و علیکم ما علیهم فان ابیتم فالجزیة فان ابیتم فقد اتیتکم باقوام هم احرص علی الموت منکم علی الحیٰوة۔

یعنی مَیں تم کو اِسلام کی جانب بلاتا ہوں اگر تم قبول اِسلام کروگے تو تم مسلمانوں کا جز ہو جاؤ گے، تمھارے وہی حقوق ہوں گے جو ہمارے ہیں اور وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو ہم پر ہیں، اس سے اِنکار ہے تو جزیہ دو، یہ بھی منظور نہیں تو سمجھ لو کہ تمہارے مقابلہ کے واسطے وہ فوجیں لے کر آیا ہوں جو موت پر ایسی ہی جان دیتے ہیں جیسے تم زندگی پر بلکہ زیادہ۔

جزیہ کی مقدار معاہدہ حیرہ میں فی کس چار درہم تھی (یعنی ایک روپیہ)۔ راہب تارک الدنیا اور مفلس مستثنیٰ تھے۔ جزیہ کے عوض میں مسلمانوں کی جانب سے حفاظت کا عہد ہوتا تھا، ہر معاہدۂ جزیہ میں یہ تصریح ہوتی تھی کہ اگر ہم تمھاری حفاظت نہ کرسکیں گے تو جزیہ بھی نہ لیں گے۔

ان معرکوں میں کس قدر اِحتیاط کی جاتی تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چھوٹے چھوٹے واقعات سے بھی کس درجہ خبردار رہتے تھے، حسب ذیل واقعہ سے واضح ہوتا ہے:

مضیح کی لڑائی میں جب مسلمانوں نے شب خون مارا تو دو مسلمان بھی جو دُشمنوں میں رہتے تھے کام آئے، ایک عبد العزّٰی جن کا اِسلامی نام عبد اللہ تھا، دوسرے لبید۔ شب خون کے وقت جو اشعار عبد اللہ کی زبان پر تھے اُن میں یہ مصرع بھی تھا:

سبحانك اللّٰهم رب محمد

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ ماجرا سنا تو دونوں کا خون بہا ورثا کو ادا کیا اور حکم دیا کہ اُن کے پس ماندوں کے ساتھ حسن سلوک اِختیار کیا جائے۔ اِسی کے ساتھ یہ بھی کہا:

اما ان ذٰلك لیس علیّ اذ نازلا اهل الحرب۔

"اس کی ذمہ داری میرے سر نہیں ہے جب کہ وہ دارُ الحرب میں قیام

پذیر تھے۔"

فتح حیرہ کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حیرہ کو اپنا صدر مقام مقرر کیا، وہیں سے ہر طرف انتظام کے واسطے آتے جاتے تھے۔ السیب سرحدی مقام تھا، سرحد کی حفاظت پر کار آزمودہ جواں مرد مامور تھے مثلاً حضرت ضرار بن ازور، حضرت ضرار بن الخطاب، مثنیٰ ابن حارثہ۔

خلافت کے احکام فتح عراق کی بابت یہ تھے کہ جب حیرہ پر نشیبی و بالائی دونوں لشکر اسلام جمع ہو جائیں تو ایک امیر عسکر حیرہ میں قیام کرے، دوسرا مدائن دارالسلطنت پر بڑھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنے مفوضہ مہمات طے کر کے حیرہ پہنچ گئے، لیکن حضرت عیاض رضی اللہ عنہ اس سرعت سے ختم نہ کر سکے اور حسب ارشاد خلافت حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اُن کی مدد کے واسطے بہ مقام دومۃ الجندل جانا پڑا۔ اسی سلسلے میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کربلا کی چھاؤنی تک گئے۔ اُس وقت مسلمانوں کی آویزش کا سلسلہ کنارۂ دجلہ تک پہنچ چکا تھا۔ مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ خود مدائن کے بعض مورچوں پر سرگرمِ قتال تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے چند روز کربلا میں قیام کیا، وہاں اُس زمانے میں مکھیوں کی بہت کثرت تھی۔ عبداللہ بن وثیمہ رضی اللہ عنہ نے شکایت کی، تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

> "صبر کرو! میں چاہتا ہوں کہ جن چھاؤنیوں کا خالی کرنا عیاض کے سپرد تھا اُن کو فتح کر کے عربوں کو قابض کر دوں تا کہ مسلمانوں کا عقب محفوظ ہو جائے اور آمد و رفت کا سلسلہ بے خدشہ جاری رہے۔ یہی حکم خلیفہ کا ہے اور خلیفہ کی رائے ایک جماعت کی رائے کے برابر قوی ہے۔ و رایه یعدل بحده الامة۔"

رمضان المبارک میں دومۃ الجندل وغیرہ کے معرکے سر کر کے حضرت خالد رضی اللہ عنہ فراض جا پہنچے جہاں فارس، شام اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی ہیں۔ اسی موقع پر عید کی نماز ادا کی۔ مسلمانوں کا اجتماع فراض پر دیکھ کر رومیوں کو جوش اور غصہ آیا اور اُنھوں نے

فارس کی چھاؤنیوں، کفارِ عرب کے قبائل تغلب آباد، نمر سے مدد لے کر مسلمانوں کے مقابلے کا تہیہ کیا۔ تغلب وغیرہ سرحد روم پر آباد تھے اور اُن میں مسلمانوں کے خلاف جوش موجزن تھا، اس طرح رومی، اہل فارس اور عرب متفق ہو کر مسلمانوں پر بڑھے، فرات کے کناروں پر دونوں فوجیں جمع ہوئیں۔ رومیوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ

''تم اُدھر آؤ گے یا ہم ادھر آئیں؟''

اُنھوں نے جواب دیا کہ

''تم آؤ!''

رومیوں نے کہا:

''بہتر، لیکن جس موقع پر تم ہو وہاں سے ہٹ جاؤ تاکہ ہم دریا کو عبور کر سکیں۔''

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اِس سے اِنکار کیا۔ اِنکار سن کر رومیوں نے اور اِیرانیوں نے مشورہ کیا کہ خالد اپنی بات سے ہٹنے والا نہیں، خود ہم کو دوسرے گھاٹ سے عبور کر کے مقابلہ کرنا چاہیے۔ چناں چہ مخالف لشکر نے دریا اُتر کر نہایت جواں مردی و عزم کے ساتھ حملہ کیا، مگر میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ بعد فتح لشکرِ اِسلام نے تعاقب کیا اور کثرت سے دُشمن کام آئے۔

کام یابی کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ دس روز فراض میں مقیم رہے اور ضروری اِنتظام کر کے پانچ ویں ذی قعدہ کو حیرہ کی واپسی کا حکم دیا۔ عاصم کو ہدایت کی کہ لشکر لے کر چلیں۔ شجرہ بن الاغر ساقہ پر تھے۔ خود حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنا قیام ساقہ میں رکھا، جب لشکر آگے بڑھا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ چند آدمیوں کو لے کر علاحدہ ہو گئے اور غیر معروف راستہ سے مکہ پہنچ کر حج کیا۔ یہ سفر اِس تیزی سے طے کیا کہ لشکر کے اخیر حصہ کے ساتھ حیرہ میں داخل ہو گئے۔ واپس آئے تو فرمانِ خلافت ملا جس میں اِس جسارت

پر کہ لشکر سے علحدہ ہو کر حج ادا کیا، تنبیہ تھی اور آئندہ اِحتیاط کی ہدایت۔ اس طرح حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ۱۲ھ کے اِختتام سے پہلے تجویز شدہ مہم عراق کی تکمیل کر دی۔

حج:

ذی حجہ ۱۲ ہجری میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حج کیا۔ اُن کی غیبت کے زمانے میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مدینہ میں نائب رہے۔

شام ۱۳ھ:

ملک شام اُس عہد میں سلطنت روم میں شامل تھا۔ عراق کی طرح سلطنت روم کی عربی سرحد پر بھی قبائل عرب آباد تھے جو اہل حجاز کے ساتھ گونا گوں تعلقات رکھتے تھے، ہجرت کے بعد جب نواحِ مدینہ کے یہود عرب مسلمانوں کی مخالفت پر کمر بستہ ہو کر اُٹھے اور دائرۂ خصومت وسیع ہوا تو اُس کا اثر سرحدِ روم تک پہنچا اور اُس طرف سے بھی کاوش و آویزش شروع ہوئی۔

۸ھ کے وسط میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہم رومیوں کے مقابلے پر روانہ فرمائی جو سیرت میں غزوۂ موتہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس مہم کا جس فوجِ گراں سے مقابلہ ہو گیا اس میں خود ہرقل روم عربوں کی ایک جماعت کثیرہ کے ساتھ موجود تھا۔ اِسی غزوہ میں حضرت جعفر طیار اور حضرت زید بن حارثہ شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہما۔

رجب ۹ھ میں خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار لشکر کے ساتھ تبوک تشریف لے گئے۔ اس مہم کا مقصود بھی ہرقل کے حملہ کا روکنا تھا۔ جیش اُسامہ کی روانگی بھی رومیوں کے مقابلہ پر ہوئی تھی۔ ابھی ابھی سن چکے ہو کہ مہم عراق کے دوران میں کس طرح رومی از خود میدان میں در آئے۔ ان ہی وجوہ سے آغازِ خلافت سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نگاہ جن دو شیروں سے لڑ رہی تھی اُن میں ایک ہرقل روم بھی تھا۔ مہم عراق کی کام یابی کے بعد سفر حج سے واپس آ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مہم شام کا اہتمام کیا۔

سب سے اوّل حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو ایک حصہ فوج کے ساتھ بھیجا اور اُن کو حکم دیا کہ بہ مقام تیما پہنچ کر قیام کریں اور تا حکم ثانی آگے نہ بڑھیں۔ خود حملہ نہ کریں، اُدھر سے حملہ ہو تو دفع کریں۔ جو مسلمان قبائل تیما کے نواح میں ہوں اُن کو شرکت کی ترغیب دیں، لیکن یہ شرط تھی کہ جو لوگ اِرتداد کا داغ کھا چکے ہوں وہ شامل نہ کیے جائیں، حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے بہ موجب حکم تیما پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ قبائل کا لشکر عظیم اُن کے نشان کے نیچے جمع ہو گیا۔ ہرقل کو جب اس فوجِ گراں کی خبر پہنچی تو اُس نے بھی تیاریاں شروع کیں اور عرب کے مقابلے کے لیے عرب اِنتخاب کیے۔ قبائل لخم غسان جذام وغیرہ جو شام کی سرحد پر آباد تھے حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے مقابلے کے واسطے تیما سے تین منزل کے فاصلے پر فراہم ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اِطلاع کی گئی، حکم آیا:

اقدم و لا تحجم و استنصر اللّٰه.

”آگے بڑھو، رُکو مت، خدا سے مدد مانگو!“

اِس ہدایت کے مطابق مسلمانوں نے حملہ کیا اور مخالفین کی جمعیت پریشان ہو گئی۔ شامیوں کی چھاؤنی پر حجازی لشکر کا قبضہ ہو گیا۔ اس کش مکش کا ایک مبارک نتیجہ یہ ہوا کہ جو قبائل مقابلے پر بڑھے تھے وہ دائرۂ اِسلام میں داخل ہو گئے۔ اِس کی اطلاع بھی مدینہ گئی، حکم ہوا اور آگے بڑھو، لیکن اِس احتیاط سے کہ عقب محفوظ رہے۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے قدم آگے بڑھایا اور زیرا و آبل کے درمیان منزل کی۔ یہاں باہان نامی ایک بطریق نے مقابلہ کر کے شکست کھائی۔ اِس کی اطلاع کے ساتھ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے مزید مدد کی درخواست بھیجی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے پورے اِہتمام کے ساتھ مہم کا اِنصرام فرمایا۔ اِسی عرصے میں وہ لشکر جو یمن، عمان، بحرین، تہامہ وغیرہ مقامات میں اہل اِرتداد سے لڑ رہے تھے کام یابی کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے۔ حضرت عکرمہ ذوالکلاع حمیری (یمن کے شاہی خاندان حمیر کی یادگار)

اِسی جمعیت میں تھے۔ چار جدید فوجیں شام کو روانہ کی گئیں، ایک کے امیر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تھے، دوسرے کے حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ، تیسری کے حضرت یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ، چوتھی کے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔ یہ افواج مختلف حصص شام پر مامور ہوئیں۔ حضرت عمرو بن العاص کو بہ راہ معرفہ فلسطین پر بڑھنے کا حکم ملا۔ بقیہ تینوں لشکر مختلف سمتوں سے بلقا (بلندی شام) کی جانب بڑھے۔ ہر امیر کے متعلق مختلف شہروں کی تسخیر تھی۔ مجموعی اُصول یہ تھا کہ

اعرف ان الروم ستشغلهم فاحب ان یصعد المصوب و یصوب المصعد لئلا یتواکلوا۔

"مَیں جانتا ہوں کہ عن قریب رومی پوری قوت سے مسلمانوں کے مقابل ہوں گے، لہٰذا مَیں چاہتا ہوں کہ بلندی والے نشیب کی جانب اور نشیب والے بلندی کی طرف آجا سکیں اور ایک دوسرے کے محتاج نہ رہیں۔"

مؤرخ طبری لکھتے ہیں:

فکان کما ظن۔

"وہی ہوا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا۔"

مسلمانوں کی اِن چاروں فوجوں کی تعداد ستائیس ہزار تھی۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کی جمعیت اِس کے علاوہ ہرقل کو جب اِن واقعات کا علم ہوا تو اُس نے بڑے زور شور سے تیاریاں کیں۔ خود شام پہنچ کر حمص [1] میں قیام کیا۔ یہ تجویز کی کہ مسلمانوں کے ہر لشکر کا جدا جدا مقابلہ کیا جائے تا کہ اُن کو اِجتماع کا موقع نہ ملے۔ تذارق ہرقل کا حقیقی بھائی نوے ہزار فوج کے ساتھ عمرو بن العاص کے، جرجہ بن توذرا قریباً اِسی قدر جمعیت کے ساتھ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے، ذراقص حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے اور فیقار بن نسطوس ساٹھ ہزار لشکر کے ساتھ حضرت عبیدہ بن الجراح

1- شام کا وہ صوبہ جس کا صدر بیت المقدس تھا

رضی اللہ عنہ کے مقابلے پر مامور ہوا، تذارق کا مقدمۃ الجیش آگے بڑھ کر ثنیہ نامی مقام پر (جو فلسطین کا بلند حصہ تھا) خیمہ زن ہوا، مسلمانوں نے جب رومیوں کا ٹیڑی دل لشکر دیکھا تو گھبرائے اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مشورہ طلب کیا۔ فوج کی زیادہ جمعیت انھی کے پاس تھی، جواب دیا:

الرای الاجتماع و ذلک ان مثلنا اذا اجتمع لم یغلب من قلة و اذا نحن تفرقنا لم یبق الرجل منا فی عدد یقرن فیه لاحد ممن استقبلنا و اعد لنا لکل طائفة منا فاتعدوا الیرموک۔

"رائے یہ ہے کہ سب مجتمع ہو جاؤ، وجہ یہ کہ ہم سے آدمی جب جمع ہو جائیں تو محض قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے اور اگر ہم متفرق ہو گئے تو پھر ہم میں سے کسی کے پاس اس قدر جمعیت نہیں رہے گی کہ اپنے مقابل حریف کا مقابلہ کر سکے۔ ہمارے ہر لشکر کے مقابلے کے واسطے الگ الگ فوج بھیجی گئی ہے، یرموک پر جمع ہو جاؤ!"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اِن واقعات کی خبر ہوئی تو اُنھوں نے بھی مذکورہ بالا رائے پسند کی اور لکھا:

اجتمعوا فتکونوا عسکرا واحدا و الفوا زحوف المشرکین بزحف المسلمین فانکم اعوان اللّٰه و اللّٰه ناصر من نصره و ذخال من کفره ولن یوتی مثلکم من قلة و انما یوتی العشرة آلاف و الزیادة علی العشرة آلاف اذا اتوا من تلقاء الذنوب فاحترسوا من الذنوب واجتمعوا بالیرموک متساندین ولیصلّ کل رجل باصحابه۔

"سب جمع ہو کر ایک لشکر بن جاؤ اور مشرکوں کی صفیں مسلمانوں کی فوج سے اُلٹ دو! اِس کا یقین رکھو کہ تم اللہ کے مددگار ہو اور اللہ اپنے مددگار کو

فتح دیتا ہے اور جو اُس کا منکر ہو اُس کو رُسوا کرتا ہے۔ تم سا گروہ قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتا، حقیقت حال یہ ہے کہ ہزاروں جمعیت اگر راہِ معصیت اِختیار کرے تو بے دست و پا ہو جاتی ہے، لہٰذا واجب ہے کہ گناہوں سے خبردار رہو! مقامِ یرموک میں اپنے اپنے نشان کے نیچے جمع ہو، ہر امیر عسکر اپنے آدمیوں کے ساتھ نماز ادا کرے۔"

ہرقل کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اُس نے بھی نقشہ مُہم بدل دیا کہ تمام لشکر ایک جگہ جمع ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے۔ پڑاؤ ایسے موقع پر کیا جائے جس کا سامنا کشادہ ہو اور عقب تنگ۔ تذارق امیر الامرا ہو۔ مقدمہ پر جرجہ اور دائیں بازو پر ذراقص و باہان۔ اس کے ساتھ یہ خوش خبری بھی تھی کہ باہان عن قریب اور تازہ دم فوج لے کر تمھارے پاس پہنچتا ہے۔ فرمانِ شاہی کے مطابق رومیوں کا لشکر واقوصہ نامی مقام پر اُترا، یہ مقام دریائے یرموک کے کنارے پر تھا۔ سامنے دریائے یرموک تھا، پشت پر ایک سیدھا اونچا پہاڑ۔ یہ محفوظ جگہ اس لیے اِنتخاب کی گئی کہ رومیوں کے ہوش بجا ہوں، مسلمانوں کا جو خوف طاری تھا وہ رفع ہو اور دل ٹھہریں۔ مسلمانوں نے اس موقع کا اندازہ کیا اور اپنا پڑاؤ چھوڑ کر رومیوں کے سامنے مورچہ جمایا۔ اِس طرح رومی پشت اور پیش دونوں جانب سے محصور ہو گئے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یہ کیفیت دیکھ کر مسلمانوں سے کہا:

ایها الناس ابشروا احصرت واللّٰه الروم و قل ما جاء محصور بخیر۔

"مژدہ ہو! اے لوگو! قسم رب کی! رومی محصور ہو گئے اور محصور فوج بہت کم فلاح پاتی ہے۔"

مسلمان تین مہینے تک محاصرہ کیے رہے۔ سامنے دریا حائل تھا، پشت پر پہاڑ، اِس لیے مسلمان خود حملے سے مجبور تھے۔ رومی حملے سے دِل چراتے تھے۔ معمولی ہلے

کرتے تھے جو پسپا کر دیے جاتے۔ صفر کے مہینے میں اِس اجتماع اور معرکہ کی کیفیت مدینہ پہنچی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے نام مراسلہ جاری ہوا کہ

"عراق کے معاملات مثنیٰ کے سپرد کر کے اپنے لشکر کے ساتھ یلغار کر کے شام پہنچو!"

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی پوری تعمیل کی اور اس سرعت سے یرموک پہنچے کہ اُن کے گھوڑے کے پاؤں بے کار ہو گئے۔ ربیع الآخر کے آخر میں یہ لشکر یرموک پہنچا، اُسی روز باہان رومیوں کی کمک لے کر پہنچا تھا۔ اس لشکر کے آگے پادریوں کے مختلف طبقے شمامہ، راہب، قسیس وغیرہ تھے اور مسلمانوں کے مقابلے کی ترغیب دیتے جاتے تھے۔

مؤرخین نے رومیوں کی مجموعی فوج کی تعداد دو لاکھ لکھی ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی نو ہزار سپاہ اور بعض اور کمکوں کے شامل ہو جانے سے مسلمانوں کی جمعیت چھیالیس ہزار ہو گئی۔ رومی باوجود اپنی کثرت اور حریف کی قلت کے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پہنچنے کے بعد بھی ایک مہینے تک خندق میں چھپے رہے۔ مذہبی پیشوا اُن کو اُبھارتے تھے، نصرانیت کی تباہی کا ماتم کرتے تھے، لیکن کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ آخر کار بہت سی کوششوں کے بعد آمادۂ پیکار ہوئے۔ یہ واقعہ جمادی الآخرہ کا ہے۔ اِس طرح پانچ مہینے کے محاصرے کے بعد میدان میں نکلے۔

مسلمانوں کی مختلف فوجیں اپنے اپنے امیر کے زیرِ حکم تھیں۔ کل فوج پر کوئی سردار نہ تھا۔ جب رومیوں کے حملے کی اِطلاع ہوئی تو اِس طرف سے اِرادہ ہوا کہ ہر حصہ لشکر اپنے اپنے سردار کی ماتحتی میں مقابلہ کرے، اِس طرزِ جنگ کو عرب کی اِصطلاح میں تساند کہتے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے یہ حالت دیکھی تو تمام فوج کے سامنے ایک خطبہ دیا، اُس میں بیان کیا کہ

"آج کا دن ایک عظیم الشان دن ہے جو تاریخ میں یادگار رہے گا اپنے

ذاتی شرف اور فخر کو علحدہ رکھ کر صرف مرضی اِلٰہی کے واسطے کام کرنا چاہیے اور وہ طرز اِختیار کرنی چاہیے جس سے دُشمن نفع نہ اٹھائے۔ متفرق اُمرا کی ماتحتی میں لڑنا قوت کو منتشر کرنا ہے، وہ رائے قرار دو جو مناسب موقع ہو!''

سب نے کہا:

''تم اپنی رائے ظاہر کرو!''

اُنھوں نے کہا کہ

''خلیفہ کا اندازہ تھا کہ معرکے آسان ہوں گے، جو واقعات یہاں پیش ہیں اگر اُن کی خبر ہوتی تو ضرور وہ تمام لشکر کو ایک امیر کے تحت کر دیتے۔ اب یہ ہونا چاہیے کہ کل لشکر ایک سپہ سالار کے حکم سے لڑے جو باری باری سے مقرر ہو۔ ایک دن ایک امیر ہو، دوسرے روز دوسرا۔ اگر پسند ہو آج کی اِمارت میری سپرد کر دو!''

سارے اُمرا نے اِس رائے کو تسلیم کیا اور اُس روز کی سپہ سالاری حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو تفویض کی گئی۔ رومیوں نے اپنی فوج نئی ترتیب سے قائم کی تھی۔ امیر اِسلام نے بھی معمولی ترتیب چھوڑ کر جدید طرز اِختیار کی جو عرب نے اِس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ تمام سپاہ کو چالیس دستوں پر تقسیم کر کے ہر دستے پر ایک آزمودہ سردار مقرر کیا اور فوج والوں سے کہا کہ دُشمن کی کثرت ہو تو اس سے بہتر ترتیب نہیں ہو سکتی، اِس سے لشکر کی تعداد دونی معلوم ہوتی ہے، قلب پر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ، میمنہ پر حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور میسرہ پر حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ مقرر کیے گئے۔ ایک دستہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا جن کی عمر اُس وقت اٹھارہ برس کی تھی۔ قاضی عسکر حضرت ابو دردا رضی اللہ عنہ تھے۔ قاص حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ اور قاری حضرت مقداد رضی اللہ عنہ۔ غزوۂ بدر کے بعد حضرت سرورِ

عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنت مقرر فرمادی تھی کہ آغازِ غزوہ سے پیش تر سپاہِ اسلام کے سامنے سورۂ انفال پڑھی جائے۔ یہ خدمت قاری کے سپرد تھی، قاص کی یہ خدمت تھی کہ سپاہیوں کے سامنے کھڑے ہوکر جوشِ جنگ تازہ کرتے۔ چناں چہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہر دستے کے سامنے جاتے اور کہتے:

انتم زادة العرب و انصار الاسلام و هم زادة الروم و انصار الشرك اللهم هذا يوم من ايامك اللهم انزل نصرك علىٰ عبادك.

''تم جواں مردانِ عرب ہواور اِسلام کے انصار، وہ جواں مردانِ روم ہیں اورشرک کے مددگار۔ اے اللہ! آج کا دن معرکہ کا دن ہے۔ اے اللہ! اپنی مدد اپنے بندوں پر نازل فرما!''

لشکرِ اسلام میں ایک ہزار صحابی شریک تھے جن میں سے سو بزرگ بدری تھے۔

جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ لشکر کی صفیں قائم کررہے تھے ایک شخص نے کہا کہ

''رومیوں کی فوج کس قدر زیادہ ہے اور ہماری کتنی کم۔''

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

''نہیں، ہماری فوج بہت زیادہ ہے اور رومیوں کی بہت ہی کم۔ سپاہ کی قلت یا کثرت تعداد پر موقوف نہیں، نتیجہ جنگ فتح وشکست سے اُس کا اندازہ ہوتا ہے۔''

خلاصہ یہ کہ ترتیب صفوف کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ حضرت عکرمہ و حضرت قعقاع رضی اللہ عنہما قلب کے دونوں بازوؤں سے نکل کر حملہ آور ہوں۔ معرکہ کارزار گرم ہوا۔ عین معرکہ میں مدینہ سے قاصد پہنچا۔ لوگوں نے حال دریافت کیا تو اُس نے خیریت اور آمد مدد کی خوش خبری سنائی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو آہستہ کچھ کہا اور مراسلہ دیا۔ اُنھوں نے مراسلہ کو بجنسہٖ ترکش میں رکھ لیا اور مصروفِ جنگ ہوگئے۔

ہنگامہ دارو گیر میں جذبِ حق کا کرشمہ دیکھو! دورانِ کارزار میں رومیوں کا سردار

جرجہ بن توذرا میدان میں آیا اور للکار کر کہا:

''خالد میرے سامنے آئیں!''

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب کیا اور خود آگے بڑھ کر دونوں لشکروں کے درمیان جرجہ سے ملے۔ اوّل دونوں نے ایک دوسرے کو پناہ دی، بعدازاں اِس قدر مل کر کھڑے ہوگئے کہ گھوڑوں کی کنوتیاں مل گئیں۔

جرجہ: ''سچ کہنا، جھوٹ مت بولنا، آزاد مرد جھوٹ نہیں بولتے۔ دھوکا نہ دینا، فریب شرفا کا شیوہ نہیں۔ مَیں یہ پوچھتا ہوں کہ خدا نے تمھارے نبی کے پاس آسمان سے تلوار بھیجی تھی وہ تم کو عطا ہوئی اور اُس کا اثر ہے کہ تم ہر جگہ فتح یاب ہوتے ہو؟''

حضرت خالد: ''نہیں۔''

جرجہ: ''پھر تمھارا لقب سیف اللہ کیوں ہے؟''

حضرت خالد: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے پاس بھیجا۔ اُنھوں نے اِسلام ہمارے سامنے پیش کیا۔ اوّل ہم سب کے سب بھاگ کر کنارہ کش ہوگئے، پھر بعض نے تصدیق کر کے پیروی اِختیار کی، بعض دور دور رہ کر جھٹلاتے رہے، مَیں اُن میں تھا جو تکذیب پر قائم تھے۔ اس کے بعد اللہ نے ہمارے قلب پھیر دیے، گردنیں جھکا دیں اور ہدایت بخشی۔ مَیں نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کی۔ اُس وقت اِرشاد ہوا:

انت سیف مین سیوف اللّٰہ سلہ علی المشرکین۔

'اے خالد! تو خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جو مشرکین کے مقابلے کے لیے نیام سے نکلی ہے۔'

نتیجہ یہ ہوا کہ اب میں سب مسلمانوں سے زیادہ مشرکوں کا دشمن ہوں۔''

جرجہ: ''تم نے سچ کہا۔ اب یہ بتاؤ کہ دعوتِ اِسلام کیا ہے؟''

حضرت خالد: ''اس امر کا اقرار کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے بندے اور رسول ہیں اور اُس پیام کی تصدیق جو وہ خدا کی طرف سے لائے۔''

جرجہ: ''اگر اس کو کوئی نہ مانے؟''

حضرت خالد: ''جزیہ دے۔''

جرجہ: یہ بھی قبول نہ کرے؟

حضرت خالد: ہم اوّل اعلانِ جنگ کریں گے۔

جرجہ: جو تم میں شامل ہو اُس کا مرتبہ؟

حضرت خالد: ''اللہ کا فرمان ہے کہ سب مسلمان درجہ میں برابر ہیں، اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ، اوّل ہوں یا آخر۔''

جرجہ: ''جو آج ایمان لائے وہ بھی رتبہ میں مساوی ہوگا؟''

حضرت خالد: ''برابر ہوگا بلکہ افضل۔''

جرجہ: ''یہ کس طرح؟''

حضرت خالد: ''ہم نے جب اِسلام قبول کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات تھے۔ نزولِ وحی کا سلسلہ جاری تھا۔ آپ احکامِ آسمانی کی خبر دیتے تھے۔ ہم معجزات و تصرفات مشاہدہ کرتے تھے۔ اِس صورت میں ہمارا مسلمان ہونا لازم تھا۔ آج تم ان باتوں کو نہیں دیکھتے پھر بھی ایمان لاتے ہو تو تم ہم سے افضل ہو۔''

جرجہ: ''تم قسم سے کہتے ہو کہ تم نے مجھ سے پورا سچ کہا، دھوکا نہیں دیا، تالیف قلب نہیں کی؟''

حضرت خالد: ''واللہ! نہ مَیں نے جھوٹ کہا، نہ مجھ کو تم سے یا کسی سے نفرت ہے۔ جو تم نے پوچھا اس کا سچا جواب مَیں نے دے دیا۔ اللہ میرا مددگار ہے۔''

جرجہ: ''بے شک تم نے سچ کہا۔''

یہ کہہ کر اپنی ڈھال پس پشت ڈال دی اور کہا:

''مجھ کو اِسلام کی تلقین کرو!''

حضرت خالد رضی اللہ عنہ اُس کو اپنے خیمے میں لے گئے، اوّل غسل دیا، پھر تلقین اِسلام کے بعد جرجہ کو مقتدی بنا کر دو رکعت نماز ادا کی۔ جرجہ کی یہ حالت دیکھ کر رومیوں نے عام ہلہ کر دیا۔ پہلے حملے میں مسلمانوں کے قدم ڈگمگا گئے۔ حضرت عکرمہ اور حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہما ثابت قدم رہے۔ جس وقت حضرت خالد رضی اللہ عنہ جرجہ رضی اللہ عنہ کو لے کر خیمے سے نکلے تو رومی مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے للکارا تو مسلمانوں نے دلیری سے حملہ کر کے دشمن کو پیچھے ہٹا دیا۔ اب سیف اللہ نے ہلہ کیا اور شمشیر آزمائی شروع ہوئی۔ چاشت سے دن ڈھلنے تک میدانِ جنگ یکساں گرم رہا۔ اِنتہا یہ کہ عصر کی نماز اِشارے سے ادا کی گئی۔ یہ عالم قابل دید تھا کہ وہ جرجہ جو صبح کو مسلمانوں کے دشمن تھے اب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پہلو بہ پہلو نشہ اِیمان میں سرشار رومیوں پر وار کر رہے تھے اور یہ قسمت کہ عین معرکہ میں سعادتِ شہادت سے کام یاب ہوئے اور صرف وہ نماز ادا کر کے جو آغازِ اِسلام کا نیاز تھی سرخ رُو اپنے رب کے حضور میں پہنچے۔ رضی اللہ عنہ

شام کے قریب رومیوں کو لغزش ہوئی۔ یہ دیکھ کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے قلب کے دستے لے کر خود حملہ کیا اور پہلے ہلے میں دشمن کے پیادوں اور رسالوں کے درمیان گھس کر حد فاصل بن گئے۔ اوّل رسالوں کو شکست ہوئی اور میدان چھوڑ کر بھاگے۔ مسلمان اِس شکست سے خوش ہوئے، لیکن اپنی جگہ پر قائم رہے، تعاقب نہیں کیا۔ سواروں کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پیدلوں پر دھاوا کیا، اُن کی جمعیت بھی متفرق ہوئی اور خندق میں جا گھسی۔ مسلمان متعاقب پہنچے۔ پشت پر پہاڑ تھا، اِس لیے رومی گھر گئے اور ہزاروں تلواروں کے گھاٹ اُتر گئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر روم کے سپہ سالار تذارق کے خیمے پر قبضہ کر لیا۔ نمازِ مغرب بعد فتح تنگ وقت پر ادا کی گئی۔

رومی شکست پا چکے، تاہم متفرق لڑائی کا سلسلہ صبح تک جاری رہا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے گرد مسلمانوں کے رسالے تھے اور تذارق کے خیمہ گاہ سے وہ تمام شب فوج کو لڑاتے رہے۔ شب کے وقت حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

"میں بہت سے معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرتا رہا، آج کیا میں رومیوں سے بھاگ جاؤں گا۔ کون ہے، جو مجھ سے موت پر بیعت کرے۔"

یہ سن کر حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ نے مع چار سو مسلمانوں کے ان کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے خیمے کے سامنے جم کر لڑنا شروع کیا یہاں تک کہ بہ اِستثنائے معدودے چند سب کے سب شہید ہو گئے۔ صبح کو لوگ بہ حالت نزع حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے بیٹے عمرو بن عکرمہ رضی اللہ عنہما کو اُٹھا کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس لائے۔ اُنھوں نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا سر اپنی ساق پر اور عمرو بن عکرمہ رضی اللہ عنہما کا ران پر رکھا۔ چہرہ سے خاک صاف کرتے، منہ میں پانی ٹپکاتے اور کہتے جاتے:

"اِس پر بھی اِبن خیثمہ کا خیال ہے کہ ہم کو شہادت کی تمنا نہیں۔"

اِسی حالت میں خدا کے دونوں برگزیدہ بندے رہ گرائے عالم بالا ہوئے۔ رضی اللہ عنہما

یہ واقعہ سننے کے قابل ہے کہ اِس لڑائی میں مسلمان بی بیاں بھی شریک تھیں اور اپنے دستے جداگانہ قائم کر کے سرگرمِ قتال ہوئیں۔ جویریہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا کے دستے نے سب سے زیادہ کارنمایاں کیا۔ تین ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ صبح ہوتے ہوتے میدان رومیوں سے صاف ہو گیا۔ آفتاب طلوع ہوا تو اُس نے اِسلامی پرچم دریائے یرموک پر لہراتا دیکھا۔ یہ فتح بہت مہتم بالشان تھی۔ اِس کی وجہ سے مسلمانوں کا سکہ رومیوں کے دل پر بیٹھ گیا اور فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔

اِس معرکے کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ رومیوں نے آغازِ کار میں ایک عرب جاسوس مسلمانوں کے لشکر میں بھیجا۔ ایک دن ایک رات وہ حالت جانچتا رہا، واپس گیا تو کہا:

باللیل رھبان و بالیوم فرسان لو سرق ابن ملکھم قطعوا یدہ و لو زنی رجم لاقامة الحق فیھم۔

''وہ لوگ رات میں درویش ہیں، دن میں شہ سوار۔ حق پرستی کا یہ عالم ہے کہ اگر اُن کے بادشاہ کا بیٹا چوری کرے تو اُس کا ہاتھ کاٹا جائے، زنا کرے تو سنگ سار کر دیا جائے۔''

اب ہم کو یہ بتا دینا چاہیے کہ جو قاصد اثنائے جنگ میں مدینہ سے آیا تھا وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رحلت کی خبر لے کر پہنچا تھا۔ جو مراسلہ اُس نے دیا تھا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی کا تھا۔ اُس میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری کا حکم درج تھا۔

مرض الموت، وفات:

سات ویں جمادی الآخرہ ۱۳ ہجری کو ہوا سرد تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غسل کیا، سردی کے اثر سے بخار ہو گیا۔ یہی بخار انجام کار مرضِ وفات ثابت ہوا۔ پندرہ روز علیل رہے، علالت روز بہ روز بڑھتی گئی، جب مسجد تک آنے کی قوت نہ رہی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اِمامت پر مقرر کیا، شدتِ مرض کی حالت میں بعض آدمیوں نے کہا کہ

''طبیب طلب کر لیا جائے۔''

جواب دیا کہ

''طبیب دیکھ چکا۔''

پوچھا:

''کیا کہا؟''

فرمایا:

''اس کا قول ہے:

انی فعال لما ارید

"میں جو ارادہ کر لیتا ہوں کر ڈالتا ہوں۔"

مدعا سمجھ کر لوگ چپ ہو رہے۔

ایام علالت اُس گھر میں بسر کیے جو مسجد نبوی کے قریب حضرت سرورِ عالم ﷺ کا عطا کردہ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پڑوس میں تھے، اِس لیے اکثر حاضر باش رہے۔ سختی مرض زیادہ بڑھی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے جانشین کی فکر ہوئی اور چاہا کہ مسلمانوں کو اختلاف سے بچانے کے لیے اپنا جانشین نام زد کر دیں، اوّل خود سوچا، پھر اکابر صحابہ سے مشورہ کیا اور بعد مشورہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت رائے قائم کی۔ بعض صحابہ نے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سختی کا اندیشہ تھا اپنا یہ خیال مشورہ کے وقت ظاہر کیا تو جواب دیا کہ

"عمر کی سختی اِس وجہ سے تھی کہ وہ میری نرمی سے واقف تھے۔ میرا تجربہ ہے کہ جب مَیں غصہ میں ہوتا تو وہ غصہ فرو کرنے کی کوشش کرتے، نرمی دیکھتے تو سختی کا مشورہ دیتے۔"

بعد مشورہ جب رائے پختہ ہو گئی تو ایک روز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بالا خانے پر تشریف لے گئے۔ شدتِ ضعف کی وجہ سے کھڑے ہونے کی طاقت نہ تھی، ان کی بی بی حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا دونوں ہاتھوں سے سنبھالے ہوئے تھیں، نیچے آدمی جمع تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُن کو مخاطب کر کے کہا:

ا ترضون ممن استخلف عليكم فانی و الله ما آلوت من جهد الرای و لا وليت ذا قرابة و انی قد استخلفت عمر بن الخطاب فاسمعوا و اطيعوا۔

"آیا تم اُس شخص کو پسند کرو گے جس کو مَیں ولی عہد مقرر کروں، اُس کو خوب سمجھ لو اور مَیں بالقسم کہتا ہوں کہ مَیں نے غور و فکر کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور مَیں نے اپنے کسی قرابت دار کو تجویز نہیں کیا، مَیں

عمر بن خطاب کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں، تم میرا کہنا سنو اور مانو!‘‘
سب نے کہا:
سمعنا و اطعنا۔
’’ہم نے سنا اور مانا۔‘‘
اِس کے بعد نیچے اُتر آئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو طلب کر کے کہا:
’’عہد نامہ لکھو!‘‘
چناں چہ حسب ذیل عہد نامہ لکھا گیا:

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم۔ ھذا ما عھد ابوبکر بن ابی قحافة فی اخر عھده بالدنیا خارجا منھا و عند اول عھده بالآخرة داخلا فیھا حیث یومن الکافر و یوقن الفاجر و یصدق الکاذب انی استخلفت علیکم بعدی عمر بن الخطاب فاسمعوا له و اطیعوا و انی لم آل اللّٰه و رسوله و دینه و نفسی و ایاکم الا خیرا فان عدل فذلك ظنی به و علمی فیه و ان بدل فلکل امر ما اکتسب و الخیر اردت و لا اعلم الغیب و سیعلم الذین ظلموا ایّ منقلب ینقلبون و السلام علیکم و رحمة اللّٰه و برکاته۔

’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یہ عہد نامہ ابوبکر بن ابی قحافہ کی آخر زندگی کا ہے جب کہ وہ دُنیا سے سفر کر رہا ہے اور عالم آخرت کے داخلہ کی پہلی ساعت ہے جہاں کافر، مومن، بدعقیدہ، عقیدت منداور جھوٹا صداقت شعار ہو جاتا ہے۔ مَیں نے عمر بن الخطاب کو اپنا ولی عہد کیا لہٰذا اُن کا حکم سنو اور مانو! خوب سمجھ لو کہ اِس بارہ میں خدا، اُس کے رسول، اُس کے دین کی، خود اپنی اور تمھاری خیر خواہی کا حق ادا کرنے کی مَیں نے پوری کوشش کی

ہے، اگر وہ عدل کریں گے تو اُن کی نسبت میرا یہی خیال اور علم ہے اگر وہ بدل گئے تو ہر شخص اپنے عمل کا پھل پائے گا۔ نیت میری بہ خیر ہے، غیب کا علم نہیں، جو لوگ ظلم کریں گے وہ جلد دیکھ لیں گے کہ وہ کس پہلو پر پلٹا کھائیں گے اور تم پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں۔"

اِس عہد نامہ کی تحریر و تشہیر کے بعد ایک شخص نے آکر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ "تم نے عمر کو ولی عہد مقرر کیا ہے حالاں کہ تم دیکھتے ہو کہ وہ لوگوں سے تمھارے سامنے کیسا برتاؤ کرتے تھے۔ اُس وقت کیا ہو گا جب وہ تنہا رہ جائیں گے، تم اپنے رب کے پاس جا رہے ہو۔ تم سے رعیت کی بابت سوال کرے گا۔"

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اُس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ یہ کلام سن کر کہا:

"مجھ کو بٹھا دو!"

بیٹھ گئے تو کہا:

ا باللّٰه تخوفنی اذا لقیت اللّٰه قلت استخلفت علی اهلك خیر اهلك.

"کیا تم مجھ کو خدا سے ڈراتے ہو میں جس وقت اللہ کے سامنے جاؤں گا تو کہوں گا کہ میں تیری اُمت سے بہتر بندہ کو اپنا جانشین مقرر کر آیا ہوں۔"

اِس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تخلیہ میں طلب کیا اور جو سمجھانا تھا وہ سمجھایا۔ پھر ہاتھ اُٹھا کر دعا کی:

اللهم انی لم ارد بذٰلك الا اصلاحهم و خفت علیهم الفتنة فعملت فیهم بما انت اعلم به واجتهدت لهم رایا ولیت علیهم خیرهم و اقواهم و احرصهم علی ما ارشدهم و قد حضرنی من امرك ما حضر فاخلفنی فیهم فهم عبادك و

نواصیهم بیدك اصلح الیهم ولاتهم واجعله من خلفاءك الراشدین و اصلح له رعیته۔

"اے اللہ! مَیں نے یہ اِنتخاب صرف مسلمانوں کی بہتری کے اِرادے سے کیا ہے اور اِس اندیشہ سے کہ اِن میں فساد نہ ہو۔ مَیں نے وہ عمل کیا ہے جس کو تو بہتر جانتا ہے، مَیں نے خوب غور و فکر کے بعد رائے قائم کی ہے، بہترین اور قوی ترین شخص کو ولی عہد کیا ہے جو سب سے زیادہ مسلمانوں کی راست روی کا خواہش مند ہے۔ میرے لیے تو کوچ کا حکم آچکا، اب مَیں اُن کو تیرے سپرد کرتا ہوں، وہ تیرے بندے ہیں اور اُن کی باگ تیرے ہاتھ میں ہے۔ اے اللہ! ان کے حاکموں کو صلاحیت دے اور ولی عہد کو خلفائے راشدین کے زمرہ سے کر اور اُس کی رعیت کو صلاحیت بخش!"

یہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ روانگی شام کے وقت حضرت خالد رضی اللہ عنہ عراق کی اِمارت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر گئے تھے۔ اُن کی روانگی کے بعد اُدھر کسریٰ نے تازہ دم فوجیں بھیجیں، اُدھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی علالت کے سبب مدینہ سے مراسلت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے متردّد ہو کر بشیر رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب کیا اور خود مدینہ آ پہنچے۔ جس دن وہ پہنچے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حیات کا آخری دن تھا، تاہم حالات مفصل سنے اور خطرہ کا اندازہ کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا کہ

"جو مَیں کہتا ہوں اُس کو سنو اور اُس پر عمل کرو! مجھ کو توقع ہے کہ آج میری زندگی ختم ہو جائے گی۔ دن میں میرا دم نکلے تو شام سے پہلے اور رات میں نکلے تو صبح ہوتے ہوتے مسلمانوں کی ترغیب دے کر مثنیٰ کی مدد پر آمادہ کرنا۔ کسی مصیبت کی وجہ سے تم کو دین کی خدمت اور حکم ربانی کی تعمیل سے نہ رُکنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے بڑھ کر کون سی

مصیبت ہو سکتی ہے۔ تم نے دیکھا ہے کہ اُس روز مَیں نے کیا کیا تھا۔ قسم ہے رب کی! اگر مَیں اُس روز حکم اِلٰہی کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا تو اللہ ہم کو تباہ کر کے سزا دیتا اور مدینہ میں آگ بھڑک اُٹھتی۔ اگر خدا تعالیٰ شام میں مسلمانوں کو فتح دے تو خالد کے لشکر کو عراق بھیج دینا! اِس لیے کہ وہ کار آزمودہ اور وہاں کے حالات سے واقف ہے۔"

ایک روز دورانِ مرض میں دریافت کیا کہ

"مجھ کو بیت المال سے کل وظیفہ اب تک کس قدر ملا ہے؟"

حساب کیا گیا تو چھ ہزار درہم ہوئے (پندرہ سو روپے تخمیناً)۔ ہدایت کی کہ

"میری فلاں زمین فروخت کر کے بیت المال کا روپیہ واپس دے دیا جائے۔"

چناں چہ وہ زمین بیچ کر روپیہ واپس دے دیا گیا۔ یہ بھی تحقیقات کی کہ بیعت کے بعد میرے مال میں کیا اِضافہ ہوا، معلوم ہوا کہ ایک حبشی غلام ہے جو بچوں کو کھلاتا ہے اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کی تلواروں پر صیقل کرتا ہے، ایک اونٹنی ہے جس پر پانی آتا ہے اور ایک سوا روپیہ کی چادر۔ وصیت کی کہ

"وفات کے بعد یہ سب چیزیں خلیفہ وقت کے پاس پہنچا دی جائیں!"

رِحلت کے بعد جب یہ چیزیں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے آئیں تو روئے اور کہا:

"اے ابوبکر! تم اپنے جانشینوں کے واسطے کام بہت دُشوار کر گئے۔"

قریب وفات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے پارچہ کا کفن دیا گیا تھا؟"

کہا:

"تین پارچہ کا۔"

وصیت کی کہ

''میرے کفن میں بھی تین کپڑے ہوں؛ دو یہ چادریں جو میرے بدن پر ہیں دھو لی جائیں، ایک کپڑا نیا لے لیا جائے۔''

اُمّ المومنین نے کہا کہ

''ابا جان! ہم تنگ دست نہیں کہ نیا کپڑا نہ خرید سکیں۔''

جواب میں فرمایا کہ

''جانِ پدر! نئے کپڑے بہ مقابلہ مُردوں کے زندوں کے لیے زیادہ موزوں ہیں، کفن تو پیپ اور لہو کے واسطے ہے۔''

اِنتقال کے روز دریافت کیا کہ

''رسول اللہ ﷺ نے کس روز رحلت کی تھی؟''

لوگوں نے کہا:

''دوشنبہ کو۔''

سن کر کہا کہ

''مجھ کو اُمید ہے میری موت بھی آج ہی ہو۔''

وصیت کی کہ

''میری قبر رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس بنائی جائے۔''

عین سکرات کے وقت جب دم سینہ میں تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حسرت سے یہ شعر پڑھا:

و ابیض تستسقی الغمام بوجهه

ربیع الیتامٰی عصمة للارامل

''وہ نورانی صورت جس کے چہرہ کی تازگی سے بادل سیراب ہو، یتیموں پر شفیق، بیواؤں کی پناہ ہے۔''

آنکھیں کھول دیں اور کہا:

"یہ شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔"

آخر کلام یہ تھا:

رَبِّ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔

"اے رب! تو مجھ کو مسلمان اُٹھا اور صالحوں سے مِلا!"

۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳ ہجری دوشنبہ کا دن گزرنے پر عشاء و مغرب کے درمیان وفات پائی۔ نمازِ جنازہ کی اِمامت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کی اور اُسی شب کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے قریب اِس طرح دفن کیے گئے کہ اُن کا سر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ کے برابر رہا۔ رضی اللہ عنہ

عمر ۶۳ سال کی تھی، ایام خلافت دو برس، تین مہینے، گیارہ دن۔

ذاتی حالات:

قبولِ اِسلام کے وقت مالی سرمایہ چالیس ہزار درہم تھا۔ تجارت ذریعہ معاش تھی۔ اس سرمایہ کو خدمت اِسلام میں صرف کرتے رہے، جب ہجرت کر کے مدینہ کو چلے تو پانچ ہزار درہم باقی تھے، سب ساتھ لے آئے اور مدینہ میں تجارت اور مالی خدمت اِسلام کا شغل جاری رہا۔ وفات کے وقت نقد ایک حبہ نہ تھا۔ خلافت کے بعد بھی شغل تجارت قائم رہا۔ روزانہ چادریں اپنے کندھے پر لادکر بازار کو لے جاتے اور خرید و فروخت کرتے۔ چھ مہینے تک یہی عمل رہا۔ جب مشاغل خلافت بڑھے اور فرصت مفقود ہوئی تو صحابہ کو جمع کیا اور کہا کہ

"خلافت کے کاروبار اب تجارت کی مہلت نہیں دیتے اور مَیں اہل و عیال کی پرورش کا سامان مہیا نہیں کر سکتا۔"

یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُن کے مصارف خزانہ سے مقرر کر دیے۔ بعد غور معیارِ مصارف مدینہ کے ایک مہاجر کا خرچ رکھا گیا۔ اِس میں اِختلاف ہے کہ مقدارِ وظیفہ کیا تھی؟ بعض نے کہا ہے کہ آدھی بکری کا گوشت روزانہ، معمولی لباس، شرط یہ تھی

کہ پرانا لباس بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ بعض نے نقد وظیفہ کا تقرر لکھا ہے۔ نقدی کی مقدار بہ اختلافِ روایت ڈھائی ہزار درہم سالانہ سے چھ ہزار درہم تک بتائی گئی ہے۔

مَیں کم وبیش ڈھائی ہزار کو ترجیح دیتا ہوں۔ وجہ یہ کہ وفات کے وقت جو حساب وظیفہ کیا گیا اُس کے بہ موجب کچھ اوپر سوا دو سال کا وظیفہ چھ ہزار درہم ہوا۔

خلافت سے پہلے سنح میں رہتے تھے۔ وہیں اُن کی بی بی حضرت حبیبہ خارجہ انصاریہ رضی اللہ عنہا کی سکونت تھی۔ ایک کمل کا حجرہ (چھوٹا خیمہ یا راوٹی) مکان کی بساط صرف اِس قدر تھی۔ چھ مہینے تک زمانۂ خلافت میں بھی اُسی میں قیام رہا۔ جس روز وہاں جانے کی باری ہوتی جاتے اکثر پیدل، کبھی اپنے ذاتی گھوڑے پر۔ عشا کے بعد جاتے، صبح کو واپس آ جاتے۔ خلافت سے پہلے محلّہ کی لڑکیاں اُن کے پاس بکریاں لاتیں اور وہ دودھ دوہ دیتے۔ جب خلیفہ ہو کر محلے میں گئے تو لڑکیوں نے دیکھ کر کہا:

"اب یہ دودھ نہیں دوہیں گے۔"

یہ سن کر کہا:

"ضرور دوہوں گا۔ مجھ کو خدا کی ذات سے اُمید ہے کہ اِس منصب سے میری کسی عادت میں فرق نہیں آئے گا۔"

چناں چہ جب محلّہ میں آتے تو دریافت کرتے:

"دودھ دوہ دوں یا بکریاں چرا لاؤں؟"

جیسا لڑکیاں کہہ دیتیں اُس کے مطابق تعمیل کرتے۔ خود اُن کی بکریاں بھی تھیں۔ کبھی کبھی اُن کو بھی لے کر چَراتے۔ شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب محلے میں نکلتے تو بچے بابا، بابا کہہ کر دوڑتے اور آ کر لپٹ جاتے۔ جمعہ کے دِن صبح کو سنح میں ٹھہر کر سر اور داڑھی میں سرخ خضاب لگاتے، غسل کرتے، کپڑے بدل کر مدینہ آتے اور نمازِ جمعہ پڑھاتے۔ چھ مہینے کے بعد سنح کی سکونت ترک کر کے مدینہ کے مکان میں متصل مسجد

نبوی سکونت اختیار کی۔

اُن بزرگوں کی روزانہ زندگی کا اندازہ اِس حدیث سے ہوتا ہے:-

ایک روز حضرت سرورِ عالم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے دریافت فرمایا:

"آج تم میں سے روزہ کس نے رکھا؟"

حضرت ابوبکر: "مَیں نے۔"

"جنازہ کے ساتھ کون گیا؟"

حضرت ابوبکر: "مَیں۔"

"محتاج کو کھانا کس نے کھلایا؟"

حضرت ابوبکر: "مَیں نے۔"

بیمار کی عیادت کس نے کی؟

حضرت ابوبکر: "مَیں نے۔"

یہ سن کر اِرشاد ہوا کہ

"یہ اوصاف جس میں جمع ہوں گے وہ جنتی ہے۔"

مدینہ کے کنارہ پر ایک بڑھیا اندھی محتاج رہتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ اُس کے یہاں اِس اِرادہ سے جاتے کہ کچھ خدمت کریں۔ مگر جب پہنچتے تو معلوم ہوتا کہ کوئی آدمی اُن سے پہلے آ کر خدمت کر گیا۔ ایک روز دروازے میں چھپ کر کھڑے ہو گئے۔ وقت مقررہ پر وہ شخص آیا دیکھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ خلافت کا زمانہ تھا۔

مقررہ وظیفہ کے خرچ میں کس قدر اِحتیاط تھی، اُس کا اندازہ اِس واقعے سے کیجیے!

ایک روز اُن کی بی بی نے شیرینی کی فرمائش کی۔ جواب دیا کہ

"میرے پاس کچھ نہیں۔"

اُنھوں نے کہا کہ

"اِجازت ہو تو مَیں خرچ روزمرہ میں سے کچھ دام بچا کر جمع کر لوں؟"

فرمایا:

''جمع کرو!''

کچھ روز میں چند پیسے جمع ہو گئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیے کہ شیرینی لا دو! پیسے لے کر کہا:

''معلوم ہوا کہ یہ خرچ ضروری سے زیادہ ہیں، لہٰذا بیت المال کا حق ہیں۔''

چناں چہ وہ پیسے خزانے میں جمع کرا دیے اور اُسی قدر اپنا وظیفہ کم کر دیا۔

منہ پر کوئی تعریف کرتا تو کہتے:

''اے اللہ! تو میرا حال مجھ سے بہتر جانتا ہے اور تعریف کرنے والوں سے مَیں اپنا حال بہتر جانتا ہوں جو اُن کا گمان میری نسبت ہے اُس سے اچھا مجھ کو کر دے اور میرے گناہ بخش دے جن کو یہ نہیں جانتے اور جو یہ کہتے ہیں اس کا مواخذہ مجھ سے مت کیجیو!''

اپنا سب کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ دوسروں سے کام لینے سے سخت اِحتراز تھا۔ اِنتہا یہ کہ اونٹ کی سواری میں نکیل ہاتھ سے گر پڑتی تو خود اُتر کر نکیل اُٹھاتے۔ ایک بار لوگوں نے کہا کہ

''آپ ہم میں سے کیوں نہیں کہتے؟''

جواب دیا کہ

ان حبیبی صلی اللہ علیہ وسلم امرنی ان لا اسئل الناس شیئا۔

''میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا مجھ کو حکم ہے کہ اِنسان سے میں کچھ نہ مانگوں۔''

حلیہ:

رجل ابیض نحیف خفیف احنی لا یستمسك ازاره یسترخی عن حقویه معروق الوجه غائر العینین ناتی الجبهة عاری الاشاجع حسن القامة۔

''گورے چٹے، دُبلے پتلے آدمی تھے، کمر جھکی ہوئی تھی۔ تہمد کمر پر نہیں رُک سکتا تھا، نیچے کھسک جاتا۔ چہرہ ستا ہوا، آنکھیں بیٹھی ہوئیں، پیشانی بلند، اُنگلیوں کے جوڑ گوشت سے خالی، قد موزوں۔''

اِمام زہری کا قول ہے کہ بال گھونگر والے تھے، آواز دردناک تھی، بات بہت کم کرتے تھے، جو کہتے سنجیدہ کہتے، اندازِ کلام ذوق ومحویت کی شان لیے ہوئے تھا، قلب نہایت رقیق ونرم تھا، اِسی لیے اوّاہ لقب تھا۔ سخی، باوقار، حلیم وشجاع تھے۔ رائے نہایت سدید وصائب تھی۔ اُس کا جوہر وہ نورِ ایمانی تھا جس کا نام اِصطلاحِ شرع میں فراست مومن ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب ''اِزالۃ الخفا'' میں لکھتے ہیں:

(خلاصۃً) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ علم کتاب وسنت میں مثل دیگر علمائے صحابہ تھے۔ جس صفت میں سب سے ممتاز تھے وہ یہ تھی کہ جب کوئی مشکل مسئلہ یا مشورہ پیش آتا وہ اپنی فراست کو اُس پر غور کرنے میں صرف کرتے۔ خداوند تعالیٰ غیب سے ایک شعاع اُن کے دِل پر ڈالتا جس سے حقیقت حال روشن ہو جاتی۔ اِس شعاع کا ظہور لطیفہ قلبیہ سے ہوتا۔ لہٰذا حقیقت حال بہ صورت عزیمت ظاہر ہوتی، نہ بہ رنگ تخیل۔

اُصولِ حکومت:

بنیادِ حکومت قرآن وحدیث تھی، جب کوئی معاملہ پیش آتا تو اوّل قرآن کی طرف رجوع کرتے، اگر کلامِ مجید میں نہ ملتا حدیث کی طرف توجہ کرتے، اگر حدیث نہ معلوم ہوتی، مجمع میں آکر دریافت کرتے کہ

''فلاں معاملہ میں کسی کو حدیث یاد ہے؟''

اکثر ایسا ہوتا کہ بہت سے آدمیوں کو حدیث معلوم ہوتی۔ اِس پر شکر کرتے کہ میری مدد کے واسطے اِس قدر سنت رسول کے جاننے والے موجود ہیں۔ جب حدیث

بھی نہ ملتی تو صحابہ میں جو اہل الرائے اور منتخب بزرگ تھے اُن کو جمع کر کے مشورہ کرتے، جس رائے پر اِجماع ہو جاتا اُسی پر کار بند ہوتے۔

اِسلام نے جو مساوات کی روح پھونکی تھی اُس کو آخر عہد تک نہایت اِہتمام سے قائم رکھنے کی کوشش کی۔ بیت المال کی آمدنی مساوی طور پر تقسیم کی جاتی تھی۔ اُس میں جوان، بوڑھے، مرد یا عورت کا کچھ اِمتیاز نہ تھا۔ اُن کا قول تھا:

لا یحقرن احد کم احدا من المسلیمن فان صغیر المسلمین عند اللّٰہ اکبر۔

''تم میں سے کوئی شخص کسی مسلمان کو حقیر نہ سمجھے اس لیے کہ چھوٹا سا مسلمان (بھی) اللہ کے نزدیک بڑا ہے۔''

ایک مرتبہ مجمع میں بیٹھے تھے، ایک شخص نے آ کر کہا:

السلام علیکم یا خلیفة رسول اللّٰہ.

سن کر کہا:

''تمام مجمع میں خصوصیت کے ساتھ مجھ کو سلام کیوں کیا؟''

خلافت کے بعد جب اوّل مرتبہ ادائے عمرہ کے واسطے مکہ گئے تو لوگ اُن کے پیچھے پیچھے چلنے لگے، سب کو علحدہ کر دیا اور کہا:

''اپنی اپنی راہ چلو!''

شانِ تکبر سے ہمیشہ اِحتراز رکھا۔

ایک مرتبہ ایک فاتح امیر نے نامۂ فتح کے ساتھ دُشمن کا سر بھیجا تو بہت ناخوش ہوئے۔ لانے والے نے عذر کیا کہ ہمارے دشمنوں کا یہی طرزِ عمل ہے۔ فرمایا کہ

''ہم روم و فارس کے مقلد نہیں۔''

اِس کے بعد عام ہدایت جاری کر دی کہ آئندہ صرف فتح کی خبر بھیجی جائے، دُشمن کا سر نہ بھیجا جائے۔

عمال کی بابت یہ اُصول تھا کہ جو عامل حضرت سرورِ عالم ﷺ کے مقرر کردہ تھے وہ بہ دستور قائم و برقرار رہے۔

سادگی اِسلام کو ہمیشہ اپنا شعار رکھا۔ اُس سادگی و وقار پر ہزار تکلف اور شان و شوکت نثار تھے۔ اہل اِرتداد کے مقابلے سے جب اِسلام کے لشکر لوٹے تو اُن کے ہم راہ ذوالکلاع حمیری بھی یمن سے آئے۔ یہ اُس شاہی خاندانِ حمیر کی یادگار تھے جو مدتوں یمن پر جاہ و جلال کے ساتھ فرماں روا رہ چکا تھا، شاہی خاندان کے دورِ آخر کے تکلّفات و ناز و نعمت کا پورا جلوہ ذوالکلاع میں نظر آتا تھا۔ سر پر جواہر نگار تاج تھا۔ بدن پر زرّیں پوشاک، طلائی پیٹی کمر میں، ہم راہی بھی زرق برق لباس میں تھے۔ مدینہ آکر خلیفہ کو دیکھا تو گیروا چادریں، ایک باندھے ایک اوڑھے، اِسلامی وقار و تمکین کا رفتہ رفتہ یہ اثر ہوا کہ ذوالکلاع نے لباسِ شاہی چھوڑ کر دلق درویشی اِختیار کر لی۔ ایک روز مدینہ کے بازار میں نکلے تو کمر سے چمڑے کی معمولی پیٹی بندھی تھی۔ ایک ہم راہی نے دیکھ کر حسرت سے کہا کہ

"یہ کیا شکل بنا لی!"

جواب دیا کہ

"اِسلامی اثر سے لایعنی تکلّفات بے لطف ہو گئے۔"

عمال و کاتب:

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ خزانہ کے مہتمم تھے اور جزیہ کی آمدنی کا حساب اُن کے سپرد تھا۔ بیعت کے بعد اُنھوں نے کہا کہ

"مال کا کام خلیفہ کی طرف سے مَیں انجام دوں گا۔"

خزانہ جب تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سنح میں رہے وہاں رہا۔ قفل پڑا رہتا تھا، پہرہ نہ تھا۔ لوگوں نے کہا کہ

"پہرہ رکھیے!"

تو جواب دیا:

"قفل کافی ہے۔"

جب مدینہ کی سکونت اختیار کی تو خزانہ مدینہ چلا آیا۔

قاضی حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ اُس عہد کی صفائی معاملات کا یہ عالم تھا کہ ایک سال تک ایک مدعی بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے نہ آیا۔ کاتب حضرت زید بن ثابت، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم تھے۔ معمولی خط کتابت کا کام جو حاضر ہوتا اُس سے لے لیا جاتا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اُس زمانے میں اِن خدمات کا معاوضہ لینا سخت برا سمجھا جاتا تھا۔ جو کام کرتے محض حسبۃً للہ۔

عمال

مقام حکومت	نام عامل
مکہ (حجاز)	عتاب بن اُسید
طائف "	عثمان بن ابی العاص
صنعا (یمن)	مہاجر
حضر موت "	زیاد بن لبید انصاری
خولان "	یعلی بن منیہ
زبید و رمع "	حضرت ابو موسیٰ اشعری
جند "	حضرت معاذ بن جبل
بحرین "	علا حضرمی
نجران "	جریر بن عبداللہ
دومۃ الجندل (عراق)	عیاض بن الغنم
عراق	مثنیٰ بن حارثہ
ثور (بلاد مزینہ)	جرش

علمی کمالات و علمی خدمات

قرآن:

قرآن شریف بہ طور وحی تیئیس برس تک تھوڑا تھوڑا حضرت سرورِ عالم ﷺ پر نازل ہوتا رہا۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے تھے جن کو کلامِ مجید پورا حفظ تھا۔ نہایت کثرت سے ایسے جن کو مختلف حصے یاد تھے۔ جب وحی نازل ہوتی تھی تو حضرت سرورِ عالم ﷺ کاتبانِ وحی میں سے کسی کو طلب فرماتے اور لکھوا دیتے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت اکثر حاصل ہوتی۔ کاغذ نایاب تھا، اِس لیے علاوہ کاغذ کے وحی چمڑے کے ٹکڑوں، کھجور کی چھال، بکری کے شانہ کی ہڈی، سپید پتھر کے ٹکڑوں پر بھی لکھی جاتی اور یہ لکھے ہوئے اجزا آں حضرت ﷺ کے پاس محفوظ رہتے۔

ع عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

یمامہ کے پر شر معرکہ سے یہ نتیجہ خیر نکلا کہ کلامِ مجید ایک جگہ تحریر ہو کر بہ شکل کتاب محفوظ ہو گیا۔ اوپر سن چکے ہو کہ معرکہ مذکور میں کس کثرت سے مہاجرین و انصار شہید ہوئے۔ اُن میں کثرت سے ایسے تھے جو کل یا جز قرآن کے حافظ (قرا) تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِس واقعہ سے متاثر ہو کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ

> "مسلمانوں کو ابھی بہت سے معرکے سر کرنے ہیں، اگر ہر معرکے میں اِسی کثرت سے حافظ شہید ہوئے تو قرآن کا خدا حافظ ہے۔ آپ حکم دیجیے کہ کلام مجید ایک جگہ ضبط تحریر میں آجائے۔"

اوّل حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اِس بنیاد پر تامل کیا کہ جو فعل رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا، کس طرح کریں۔ مگر بحث کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر منکشف ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے صحیح ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو طلب کر کے اوّل اپنی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گفتگو کا اِعادہ کیا، پھر کہا:

''تم جوان، ذی ہوش ہو، کوئی اِلزام تم پر نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں وحی لکھا بھی کرتے تھے، لہٰذا تم کلامِ مجید لکھ کر ایک جگہ جمع کر دو!''

اول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بھی وہی تامل ہوا جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو ہوا تھا۔ لیکن مباحثہ کے بعد اطمینان ہو گیا اور اُنھوں نے خدمت قبول کی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے کہ

''اگر پہاڑ کو اُٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھ دینا میری سپرد کیا جاتا تو وہ آسان ہوتا بہ مقابلہ اِس کے کہ جمع قرآن کا بوجھ میرے سر پر رکھا گیا۔''

اِس سے اُس اِحساس کا اندازہ ہو سکتا ہے جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو خدمت مفوضہ کی ذمہ داری کا تھا۔ کاشانۂ نبوت سے تحریر شدہ اجزا برآمد کیے گئے۔ مزید اِحتیاط وغایت اِہتمام صحت کے لحاظ سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اُن اجزا کا مقابلہ بار بار اُن صحابہ سے کرتے جن کو کل یا جز کلامِ مجید یاد تھا اور جب کوشش کا کوئی دقیقہ باقی نہ رہتا تب کاغذ پر نقل کرتے۔

غرض اسی جاں فشانی و تحقیق کے ساتھ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے تمام کلامِ مجید کاغذ پر لکھ کر ایک جگہ جمع کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُس کا نام مصحف رکھا، یہ نسخہ خاص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تحویل میں رہا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خود بھی حافظ قرآن تھے اور حضرت سرورِ عالم ﷺ کے عہد میں کاتبانِ وحی کے زمرہ میں شامل۔ لکھنا اُس زمانہ میں اِس قدر کم یاب تھا کہ قریش کے اتنے بڑے قبیلے میں بہ قول علامہ بلاذری آغازِ اِسلام میں صرف سترہ آدمیوں کو لکھنا آتا تھا۔ زمانۂ خلافت میں جو اشکال معانی کلام مجید کے متعلق پیش آیا اُس کو حل کیا۔

حدیث:

متعدد احادیث ایسی ہیں جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں اِرشاد ہوئیں۔ اِس طرح وہ اُن کے عالم وجود میں آنے کے باعث ہوئے۔ ایک سو بیالیس حدیثیں

یہ روایت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ مروی ہیں اُن کو اِمام سیوطی نے ''تاریخ الخلفا'' میں ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

قلتِ روایت کے اسباب شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ لکھے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہت کم زندہ رہے، وہ تھوڑا زمانہ بھی اور قسم کی مہمات کے طے کرنے میں گزر گیا۔ اُن کے معاصر قریباً سب صحابہ تھے جو خود عالم حدیث و روایت حدیث سے مستغنی تھے۔ تابعین بہت ہی کم تھے۔ واقعات بھی زیادہ پیش نہیں آئے۔

باوجود قلت روایت کے اُمہات مسائل میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایتیں سند ہیں۔ مثلاً طریقہ نماز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اِبن زبیر نے حاصل کیا، اُن سے امام عطا نے، ان سے ابن الجریج نے۔ ابن الجریج کی نسبت یہ قول ہے کہ اُن کے زمانہ میں اُن سے بہتر نماز کو ادا کرنے والا نہ تھا۔ اہل مکہ ادائے نماز میں طریقہ صدیقیہ کے پابند تھے۔ زکوٰۃ کی مقادیر کی بابت سب سے زیادہ مستند روایت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی ہے۔

فقہ:

فقہ کے متعلق اِجتہاد کا قاعدہ مقرر کیا جو سارے مجتہدوں کا دستورُ العمل بن گیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ

''وے رضی اللہ عنہ شیخ و استاد جمیع مجتہدین شد بوضع ایں قاعدہ۔''

فقہ کے جو مشکل مسائل پیش آئے اُن کو حل کیا۔ مثلاً میراث جدہ، میراث جد، تفسیر کلالہ، حد شربِ خمر، مہم شام کی روانگی کے وقت جو احکام اُمرائے لشکر کو دیے وہ صدیوں تک اُمرائے اِسلام کا دستورُ العمل رہے۔

تعبیر رُویا:

یہ بھی ایک علم اِلٰہی ہے جس کا اِدراک جدید روشنی میں مشکل ہے۔ وجہ یہ کہ جو

لوگ نہیں سمجھتے یا نہیں سمجھا سکتے وہ نور و صفائی باطن سے محروم ہیں جس کی ضرورت اس فن کے لیے ہے۔ بہ ہر حال فن تعبیر کے اِمام ابن سیرین کا قول ہے:

کان ابو بکر اعبر ھذہ الامۃ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

''آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اِس اُمت میں ابو بکر فنِ تعبیر میں سب سے زیادہ ماہر تھے۔''

تصوف:

سب سے اوّل تصفیہ و تزکیہ باطن کے واسطے کلمہ طیبہ کا طریقہ ذکر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تلقین کیا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ توحید میں بزرگ تر کلام حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ ہے:

سُبْحَانَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلْ لِخَلْقِہٖ سَبِیْلًا اِلَّا بِالْعَجْزِ۔

''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوق کے لیے سوائے عجز کے کوئی رستہ نہیں بنایا۔''

''کشف المحجوب'' میں ہے:

طریقہ تصوف کے اِمام ابو بکر ہیں، انقطاع عن الاغیار جو جانِ تصوف ہے اُن کے اِس خطبے سے عیاں ہے: الا من کان یعبد محمدا الخ

محبت دُنیا سے پاک و صاف ہونے کا شاہد غزوۂ تبوک کا وہ واقعہ ہے: ما خلقت لعیالک قال اللہ و رسولہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ آئے؟ کہا: اللہ اور اُس کا رسول۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے تصوفِ صدیقی کے ذیل میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اُن تمام اوصاف کی تفصیل کی ہے جو اساسِ تصوف ہیں۔ مثلاً توکل، اِحتیاط، تواضع، خدا کی مخلوق پر شفقت، رضا، خوفِ الٰہی

جو صاحب شائق تفصیل ہوں ''اِزالۃ الخفا'' دیکھیں! ہم مضمون کے عام فہم نہ

ہونے کے سبب زیادہ تفصیل سے نہیں لکھتے، صرف خوفِ الٰہی کی ایک مثال پر اِکتفا کرتے ہیں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک روز درخت پر ایک چڑیا دیکھی تو حسرت سے کہا:

طوبیٰ لك یا طیر تاکل من شجرۃ و تستظل من شجرۃ و تصیر الی غیر حساب یا لیت ابابکر مثلك۔

''اے پرندے! خوش حال ہے تو، پھل کھاتا ہے، درخت کے سایہ میں بسر کرتا ہے، حساب کتاب کا کچھ کھٹکا نہیں۔ کاش! ابوبکر تجھ سا ہوتا۔''

نماز میں خشیت الٰہی کا یہ عالم ہوتا کہ ایک چوبِ خشک کی طرح کھڑے ہوتے۔ طریقہ نقش بندیہ جو آج تک عالم میں فیض رساں ہے اُس کا سلسلہ بہ واسطہ حضرت اِمام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

عقائد:

عقائد کے متعلق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سب سے اوّل توحید ورسالت کا اِمتیاز علی الاعلان اُس وقت ظاہر کیا جب کہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متحیر تھے۔ یعنی بعد وفات حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔ اُس موقع کا خطبہ قیامت تک یادگار رہے گا۔ بعد بیعت رسالت وخلافت کے حدود صاف صاف علاحدہ قائم کر دیے۔ خلیفہ ہونے کے بعد ایک خطبہ خاص اس مبحث کے متعلق دیا۔ اُس میں بہ وضاحت بیان کیا کہ

''دو باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھیں وہ مجھ سے طلب نہ کرنا؛ ایک وحی، دوسری عصمت۔''

اس کو اِس کثرت کے ساتھ خطبوں میں ظاہر کیا کہ سامعین کے ذہن میں راسخ ہوگیا، علاوہ خطبوں کے اور مواقع پر بھی اس کا لحاظ اِہتمام کے ساتھ رکھا۔

کسی نے اُن سے کہا:

خلیفۃ اللہ۔

تو کہا:

اَنَا خَلِیْفَۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَ اَنَا بِہٖ رَاضٍ۔

"میں رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ ہوں اور اِسی سے خوش ہوں۔"

ایک بار کسی پر غصے ہو رہے تھے ایک شخص نے کہا: حکم ہو تو اس کی گردن اُڑا دوں؟ فوراً کہا کہ یہ رُتبہ خدا نے رسول اللہ ﷺ کو دیا تھا۔

واقعاتِ وفات میں پڑھ چکے ہو کہ شدتِ سکرات میں جب ایک مدحیہ شعر اُن کی شان میں پڑھا گیا تو آنکھیں کھول کر کہہ دیا کہ

"یہ شان رسول اللہ ﷺ کی تھی۔"

زکوٰۃ اور نماز میں جو تفریق قائم کرنے کی کوشش کی گئی اُس کو آغازِ خلافت میں کس شدت سے روکا۔

علم الانساب:

شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ

"آج انساب قریش کے متعلق جس قدر علم ہے وہ بہ روایت زبیر بن بکار محفوظ ہے۔ اُنھوں نے مصعب زبیری سے حاصل کیا۔ مصعب نے بہ یک واسطہ مطعم بن جبیر سے، مطعم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے۔"

بلاغت خطب:

مؤرخین کا قول ہے کہ صحابہ کرام میں فصاحت خطبہ میں دو صحابی سب سے ممتاز تھے:

ایک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ — دوسرے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

بعض مقولے:

لا یحقرن احد کم احدا من المسلمین فان صغیر المسلمین

عند اللّٰہ اکبر وجدنا الکرم فی التقوی و الغناء فی الیقین و الشرف فی التواضع۔

''تم میں سے کوئی شخص کسی مسلمان کو حقیر خیال نہ کرے اِس لیے کہ چھوٹا سا مسلمان بھی خدا کے نزدیک بڑا ہے۔ ہم نے بزرگی تقویٰ میں، بے نیازی یقین میں اور عزت تواضع میں دیکھی۔''

ایک خطبے میں حدیث کے یہ الفاظ بیان کیے تھے جو آج کل ہر مسلمان کا دستور العمل بننے چاہئیں:

و لا تقاطعوا و لا تباغضوا و لا تحاسدوا و کونوا عباد اللّٰہ اخوانا کما امرکم۔

''باہم قطع تعلق مت کرو، بغض نہ رکھو، حسد مت کرو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ جیسا کہ تم کو حکم ہے۔''

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک موقع پر نصیحت کی:

فرمن الشرف یتبعک الشرف و احرص علی الموت توھب لک الحیٰوۃ۔

''جاہ و عزت سے بھاگو! عزت تمہارے پیچھے پھرے گی، موت پر دلیر رہو! تم کو زندگی بخشی جائے گی۔''

محبتِ رسول:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ محبت رسول میں غرق تھے۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دوسرے سال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک روز خطبہ دیا، اُس میں یہ الفاظ زبان سے نکلے:

انی سمعت نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم عام الاوّل۔

یعنی مَیں نے تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پارسال سنا ہے۔

پارسال کے لفظ سے حادثہ وفات یاد آ گیا، بے اِختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بے تاب ہو گئے، سنبھل کر پھر خطبہ کا سلسلہ درست کیا، پھر اِن الفاظ سے دل پر چوٹ لگی اور مضطرب ہو گئے۔ تیسری دفعہ ضبط کی کوشش کی اور خطبہ ختم کیا۔

آں حضرت ﷺ اپنی انا حضرت اُمّ ایمن کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے، بعد خلافت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

انطلق بنا الی ام ایمن نزورھا کما کان رسول اللہ ﷺ یزورھا۔

''چلو سنت نبوی کی پیروی کریں اور اُم ایمن سے چل کر ملیں!''

وہاں پہنچے تو وہ رونے لگیں۔ دونوں نے کہا:

''روتی کیوں ہو؟ اللہ کا تقرب اس کے رسول کے واسطے بہتر ہے۔''

کہا:

''یہ مَیں بھی جانتی ہوں۔ صدمہ اس کا ہے کہ وحی آسمانی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔''

یہ سن کر دونوں صاحب رونے لگے۔

اِمام سیوطی نے لکھا ہے کہ

''حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اصلی سبب وفات آں حضرت ﷺ کی رحلت تھی۔ اس صدمے سے گھلتے رہے یہاں تک کہ اِنتقال ہو گیا۔''

ازواج واولاد:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے چار شادیاں کیں؛ دو زمانہ جاہلیت میں، دو بعد اِسلام۔

ایامِ جاہلیت کی بی بیاں قتیلہ اور اُم رومان تھیں؛ قتیلہ قبیلہ بنی عامر سے تھیں۔ اِسلام سے مشرف نہیں ہوئیں۔ اُمّ رومان مالک بن کنانہ کی اولاد سے تھیں۔ اِسلام لائیں۔ ہجرت کے وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اُن کو مکہ میں چھوڑ گئے تھے، چند روز کے بعد مدینہ بلا لیا۔ ذی حجہ ٦ ہجری میں بہ مقام مدینہ رحلت کی۔ حضرت سرورِ عالم ﷺ

نے دست مبارک سے دفن کیا۔

زمانۂ اسلام میں ایک شادی اُمّ روماں کی وفات کے بعد اسما بنت عمیس سے ۸ ہجری میں کی۔ دوسری شادی حبیبہ بن خارجہ انصاریہ سے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت یہ دونوں بی بیاں زندہ تھیں۔

اولاد تین لڑکے اور تین لڑکیاں۔ اولاد میں سب سے بڑے حضرت عبدالرحمٰن اُمّ روماں کے بطن سے ۵۳ ہجری میں وفات پائی۔

دوسرے لڑکے عبداللہ قتیلہ کے بطن سے غزوۂ طائف میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب شریک تھے، تیر کا زخم پاؤں میں لگا اُس کے صدمہ سے شوال ۱۱ ہجری میں اِنتقال ہوا۔

تیسرے لڑکے محمد ہیں۔ یہ مدینہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کی والدہ اسما بنت عمیس تھیں۔ قاسم اُن کے صاحب زادے تھے جو فقہائے سبعہ میں ہیں۔

لڑکیوں میں سب سے بڑی حضرت اسما تھیں۔ ان کی والدہ قتیلہ۔ حضرت زبیر کے ساتھ شادی ہوئی۔ سترہ آدمیوں کے بعد دائرۂ اِسلام میں شامل ہوئیں۔

دوسری لڑکی حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن تمام ازواجِ مطہرات میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھیں۔ اُن کا علم و فضل مسلم ہے۔ حافظ اِبن حجر نے "اِصابہ" میں لکھا ہے کہ

"جو آٹھ بزرگ صحابہ کرام میں اِجتہاد و فقہ میں ممتاز تھے اُن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔"

تیسری لڑکی اُمّ کلثوم ہیں۔ اُن کی والدہ بنت خارجہ۔ اپنے والد کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔

لڑکوں میں سلسلۂ نسل حضرت عبدالرحمٰن اور محمد رضی اللہ عنہما سے چلا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب ختم ہوگیا۔

بابِ سوم(1)

فضائل

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اِس تیرہ سو برس کے عرصے میں کتنی کروڑ مرتبہ خطیبوں نے برسرِ ممبر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ہونے کا اِعلان کیا ہے اور اِس طرح اُن کی فضیلت کی سچی شہادت علی رُءوس الاشہاد ادا کی ہے۔ آج بھی چار دانگ عالم میں جہاں جہاں اہل حق ہیں یہ پُر عظمت صدا ہر جمعہ کو لاکھوں منبروں پر بلند ہوتی ہے۔

فضائل صدیقی کی بنیاد تین شہادتوں پر ہے:

(۱) آیاتِ کلامِ مجید

(۲) احادیث نبوی

اور (۳) اقوالِ صحابہ کرام واہل بیت اطہار وسلفِ صالحین رضی اللہ عنہم

اِسی ترتیب سے ہم فضائل بیان کرتے ہیں:

1- اس باب کا ماخذ کتبِ ذیل ہیں:

(۱) تاریخ الخلفا: امام جلال الدین سیوطی، (۲) ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفا: شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی، (۳) الصلوٰۃ الجامعہ: سیّد مصطفیٰ بن کمال الدین خلوتی، (۴) الاصابہ: امام ابن حجر عسقلانی، (۵) الاستیعاب: حافظ ابن عبدالبر، (۶) الریاض النضرۃ: محب الدین طبری رحمہم اللہ

آیاتِ کلام مجید:

۱- وَ الَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی وَ النَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی وَ مَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَ الۡاُنۡثٰۤی اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَ اتَّقٰی وَ صَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلۡیُسۡرٰی...... وَ سَیُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقَی الَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی وَ مَا لِاَحَدٍ عِنۡدَهٗ مِنۡ نِّعۡمَۃٍ تُجۡزٰۤی اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِ الۡاَعۡلٰی وَ لَسَوۡفَ یَرۡضٰی۔

''قسم رات کی جب ڈھانک لے اور دن کی جب روشن ہو، نر اور مادّہ پیدا کرنے کی ضرور تمھاری کوشش قسم قسم کی ہے۔ جس نے دیا اور پرہیز گار ہوا اور سچ مانا اچھی بات کو، تو ہم اُس کو آہستہ آہستہ آسانی میں پہنچا دیں گے...... اور سب سے زیادہ پرہیز گار جہنم کی آگ سے بچایا جائے گا۔ جو دیتا ہے اپنا مال تزکیہ باطن کے لیے اور نہیں اُس پر کسی کا اِحسان جس کا بدلہ دیا جائے، مگر اپنے رب اعلیٰ کی خوش نودی کے واسطے دیتا ہے اور وہ ضرور آئندہ خوش ہوگا۔''

مفسرین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے راہِ خدا میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ کو (جو اِسلام لانے کی وجہ سے اپنے کافر آقاؤں کے پنجۂ عذاب میں گرفتار تھے) خرید خرید کر آزاد کیا تو ایک روز اُن کے والد ابوقحافہ نے کہا کہ

''جانِ پدر! مَیں دیکھتا ہوں کہ تم کم زور اور حقیر غلاموں کو مول لے لے کر آزاد کرتے ہو، کاش! تم قوی اور کام کے آدمیوں کو آزاد کرتے تو وہ تمھارے کام آتے اور پشت پناہ بنتے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر جواب دیا کہ

''ابا جان میں صرف اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کا طالب ہوں۔''

اِس پر آیاتِ بالا نازل ہوئیں۔

امام ابن جوزی نے لکھا ہے کہ

''اِجماعِ اُمت اِس پر ہے کہ آیہ وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔''

اِس موقع پر ایک نکتہ سن لینا چاہیے! آیہ بالا میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ''اتقیٰ'' (سب سے بڑا پرہیزگار) فرمایا ہے۔ ایک دوسری آیت ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (اللہ کے نزدیک بالتحقیق تم میں وہ سب سے زیادہ بزرگ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے)

اِن دونوں آیتوں کے مفہوم سے منطق کی شکل اوّل بنی:

اَبُوْبَكْرٍ اَتْقَاكُمْ، كُلُّ اَتْقَاكُمْ اَكْرَمُكُمْ فَاَبُوْبَكْرٍ اَكْرَمُكُمْ۔

(ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ پرہیزگار ہیں، سب سے زیادہ پرہیزگار سب سے زیادہ بزرگ ہے۔ لہٰذا ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ بزرگ ہیں)

شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ

احادیث سے حضرت ابوبکر کی افضلیت کی چار وجہیں معلوم ہوتی ہیں:

اوّل: اُمت میں مرتبہ علیا پانا۔ صدیقیت اسی سے مراد ہے۔

دوم: اِبتدائے اِسلام میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِعانت۔

سوم: نبوت کے کاموں کو اِتمام تک پہنچانا۔

چہارم: آخرت میں علومرتبہ۔

یہ بھی لکھا ہے کہ

''حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی عملی قوت اور عقلی قوت حضراتِ انبیا علیہم السلام کی عملی و عقلی قوت سے مشابہ تھی۔''

جس مال کو راہِ خدا میں صرف کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لطفِ خداوندی سے ممتاز ہوئے اُس کی شان دیکھو!

حدیث میں آیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال کو مثل اپنے مال کے بے تکلف خرچ فرماتے تھے۔ ارشادِ نبوی ہے کہ

"ہم پر جس کا اِحسان تھا ہم نے اُس کا بدلہ دے دیا، صرف ابوبکر کا اِحسان باقی ہے، اُس کا بدلہ قیامت کے دن خداوند تعالیٰ بخشے گا۔"

اِس حدیث کے ساتھ ایک حدیث اور ملاؤ!

يَا اَبَا بَكْرٍ عَطَاكَ اللّٰهُ الرِّضْوَانَ الْاَكْبَرَ۔ قَالَ: وَ مَا رِضْوَانُهُ الْاَكْبَرُ؟ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ يَتَجَلّٰى لِلْخَلْقِ عَامَّةً وَ يَتَجَلّٰى لَكَ خَاصَّةً۔

"اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے تم کو سب سے بڑی خوش نودی سے سربلند فرمایا۔ عرض کیا: یارسول اللہ! سب سے بڑی خوش نودی اللہ تعالیٰ کی کیا ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ مخلوق کے واسطے تجلی عام فرمائے گا اور تمھارے واسطے تجلی خاص۔"

اب تمھارے ذہن میں عطائے ربانی کا مفہوم آسکے گا۔

ایک اور امر غور طلب ہے۔ آیاتِ بالا میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خوش ہو جانے کا وعدہ ہے۔ سورۂ والضحیٰ میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش فرما دینے کا وعدہ ہے۔ اِس سے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علوِ مرتبہ کا پتہ چلتا ہے۔

۲- اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔

"اگر تم رسول کی مدد نہیں کرتے ہو تو (کچھ پروا نہیں) اللہ نے اُن کی مدد اُس وقت کی جب کافروں نے اُن کو نکال دیا اور وہ دو میں کے ایک تھے، جب دونوں غار میں تھے۔ جس وقت وہ اپنے دوست سے کہتے تھے: ملول نہ ہو! خدا ہمارے ساتھ ہے۔"

اِس آیت میں اُس موقع کا ذکر ہے جب ہجرت کے وقت حضرت سرورِ عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غارِ حرا میں تھے۔ اُس وقت اِرشاد اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا اُس قوتِ اِیمانی کا جلوہ دکھلاتا ہے جس کے سامنے مخالفین نے بھی سرِ تسلیم وادب خم کر دیا ہے۔ ایسے موقع پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی محبت اُن کے علومرتبہ کی اعلیٰ شہادت ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

علومرتبہ کا پایہ بلندتر ہو جاتا ہے بلکہ اُس درجہ پر پہنچ جاتا ہے جس کے آگے صرف رسالت اور نبوت کا رُتبہ ہے۔ جب اِس اِرشادِ نبوی پر غور کیا جائے:

ما ظنك باثنين الله ثالثهما۔

''اے ابوبکر! تمھارا اُن دو کی نسبت کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔''

جب کفار سرگرمِ تلاش غارِ حرا کے منہ پر آ کھڑے ہوتے ہیں اور یارِ غار کو اُن کے پاؤں نظر آتے ہیں تو اُن کی زبان سے بے اِختیار نکلتا ہے:

''اے اللہ کے رسول! ہم تو اب پائے گئے۔''

اُس وقت اِرشاد بالا صادر ہوتا ہے۔

غور کیجیے! قربِ اِلٰہی کا یہ وہ مقام ہے جہاں صرف اللہ، رسول اور صدیق ہیں۔ اللہ اکبر!

ثانی اثنین میں دوسری شان ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس آیت میں دو میں کا ایک فرمایا ہے۔ اس طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے ہوتے ہیں۔ یہ تقربِ نبوی کا جلوہ ہے۔ یہ رفاقت اور اثنینیت محض اتفاقی نہ تھی، نتیجہ تھی اُس فدائیت اور سرگرمی کا جس کی سعادت روزِ ازل سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مقدر میں تھی، یارِ غار نے یہ معیت جان، مال، اہل عیال، ریاست و آسائش؛ غرض جو کچھ اُن کی بساط میں تھا سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سے قربان کر کے حاصل کی تھی۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ ...... بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّةَ۔

''اللہ تعالیٰ نے مومنین سے جنت دے اُن کی جانیں ...... خرید لی ہیں۔''

اہل تقرب کی جنت رضائے دوست ہے۔

شعر

بمزدِ یادِ خود باغِ بہشتم وعدہ فرمودی

مگر باغِ بہشتی بہتر از یادِ تو می باشد

تم حالاتِ صدیق اکبر میں پڑھ چکے ہو کہ وہ بعثت سے ایک سال پہلے سے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ مَردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے اور دوسرے ہوئے۔ ارشاد ہے:

"(اِبتدائے اِسلام میں) مَیں نے کہا کہ مَیں سارے انسانوں کی جانب خدا کا رسول ہوں۔ تم نے کہا: جھوٹ ہے، ابوبکر نے کہا: سچ ہے۔"

آں حضرت ﷺ آغازِ اِسلام میں حرمِ محترم میں خانہ کعبہ کے قریب مشغولِ عبادت ہیں۔ کفار حملہ آور ہوتے ہیں اور گلوے مبارک میں چادر ڈال کر گھونٹتے ہیں۔ کسی نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے جا کہا:

ادرك صاحبك!

"اپنے دوست کی خبر لو!"

یہ سن کر بے تابانہ آئے اور کفار کے نرغے میں گھس گئے اور یہ کہہ کر حملہ کیا:

وَيْلَكُمْ اَ تَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَ قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَّبِّكُمْ۔

"تم پر افسوس ہے! کیا تم ایک شخص کو اِس کہنے پر قتل کرتے ہو کہ میرا رب اللہ ہے اور حال یہ ہے کہ وہ تمھارے پاس خدا کی جانب سے روشن دلیلیں لے کر آیا ہے۔"

کافروں نے جو سلوک اُن کے ساتھ کیا وہ تم پڑھ چکے ہو۔

جب ہجرت کا حکم آیا اور مدینہ کا ستارا چمکا، یارِ غار سب کو چھوڑ کر ہم رکاب تھے۔

غرض وہ کون سا معرکہ اور موقع تھا جہاں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پروانہ وار شمع رسالت (بابی و امی) نثار نہ تھے۔ اِس جاں نثاری و جاں بازی نے قلبِ اقدس میں وہ جگہ پائی تھی کہ ہر موقع پر اِرشاد ہوتا تھا:

انا و ابو بکر و عمر۔ (مَیں اور ابوبکر اور عمر)

ایک موقع پر جب نطق حیواں کا ایک واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تو سامعین نے تعجب کیا۔ اِرشاد ہوا:

''میرا اور ابوبکر اور عمر کا اس پر ایمان ہے۔''

حالاں کہ یہ دونوں جلیل القدر صحابی اُس وقت حاضر نہ تھے۔

غزوۂ بدر میں نشست گاہِ نبوی کی پاس بانی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔ یہ ایسا معرکہ خیز وقت تھا کہ اُس کے لحاظ سے حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اشجع الناس (سب آدمیوں سے زیادہ بہادر) فرمایا ہے۔

حیاتِ نبوی میں احکامِ دین بتانے میں ثانی ہوئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک کے زمانہ میں سوائے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کسی نے فتویٰ نہیں دیا۔ ناسازی مزاج مبارک میں اِمامت نماز میں ثانی ہوئے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلیفۂ رسول اللہ کی حیثیت سے ترقی دین کی خدمت اُن کے سپرد ہوئی۔ اُس وقت جس عزم اور قوتِ اِیمانی کا ظہور ہوا وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حصہ تھا۔ اُس کا حال حالات و واقعات آپ کو سنا چکے۔ مفارقت محبوب کا صدمہ جان لے کر گیا۔ اِمام سیوطی کا قول تم نے پڑھا کہ اُن کا اصل مرض آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت تھی۔ جب تک زندہ رہے اس صدمے سے گھلتے رہے۔ حیاتِ ظاہری ختم ہوئی تو پہلوے مبارک میں جگہ ملی اور دوسرے ہوئے۔

اِرشادِ نبوی ہے کہ

''قیامت کے روز سب سے اوّل میری قبر کشادہ ہوگی، پھر ابوبکر کی، پھر

عمر کی۔ میری اُمت میں سب سے اوّل ابوبکر داخل جنت ہوں گے۔"
دُعا فرمائی کہ
"الٰہی! ابوبکر کو جنت میں میرے درجہ میں جگہ دینا!"
اللہ اور اُس کے رسول بہتر جانتے ہیں کہ سلوکِ رفاقت کن مقاماتِ عالیہ تک پہنچا ہے۔
صوفیۂ کرام نے فرمایا ہے کہ
"حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو ضمیت کبریٰ کا مرتبہ حاصل تھا اور اُن کی نسبت ابراہیمی تھی۔ کلامِ مجید میں حضرت ابراہیم کا لقب اوّاہ (دردمند) ہے۔
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو اسی لقب سے یاد کرتے تھے۔"

۳۔ هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىِٕكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا۔

"وہی ہے جو رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اُس کے فرشتے تا کہ نکالے تم کو تاریکیوں سے روشنی میں اور ہے ایمان والوں پر مہربان۔"

(سورۂ احزاب رکوع ۵)

جب آیت اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىِٕكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ
"یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ جو فضل و کرم آپ پر فرماتا ہے اُس میں ہم نیاز مندوں کو بھی شریک فرماتا ہے؟"
اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۴۔ وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسٰنًا۔

"اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے۔"

(سورۃ الاحقاف، رکوع ۲)

۵- وَ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ۔

''اور اُن سے مشورہ کرلو ہر کام میں۔'' (سورۂ آلِ عمران، رکوع ۱۷)

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ

''میرے دو وزیر اہلِ آسمان میں سے ہیں: جبریل اور میکائیل، اور دو اہل زمین میں سے ہیں: ابوبکر و عمر۔''

ایک اور حدیث میں اِرشاد ہے:

''ابوبکر اور عمر میرے سمع و بصر ہیں۔''

۶- وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ۔

''اگر تم دونوں چڑھائی کرو اُن پر (رسول پر) تو اللہ اُن کا کارساز ہے اور جبریل اور صالح اہلِ ایمان اور اُس کے بعد فرشتے مددگار ہیں۔''

(التحریم، رکوع ۱)

شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ

''مفسرین کے سوادِ اعظم کا قول ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی شان میں نازل ہوئی۔ صالح مومنین سے وہی مراد ہیں۔''

۷- وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ۔

''اور جو شخص خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اُس کے لیے دو جنتیں ہیں۔''

آیاتِ بالا کے سوا جس قدر آیتوں میں صحابہ کرام سابقون اوّلون، مہاجرین، مجاہدین اور مومنین وغیرہ کے اوصاف و فضائل ہیں اُن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہ طریق اولیٰ شریک ہیں۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ بہ کثرت آیاتِ قرآنی سے فضائل صدیقی ثابت ہیں۔

احادیثِ نبوی:

خاص حضرت ابوبکر کے فضائل میں ایک سو اکیاسی (۱۸۱) حدیثیں مروی ہیں، اٹھاسی (۸۸) حدیثیں ایسی ہیں جن میں صرف ابوبکر اور حضرت عمر کی فضیلت کا بیان ہے، سترہ (۱۷) حدیثیں ایسی ہیں جن میں مجموعی طور پر خلفائے ثلاثہ کے فضائل ہیں، چودہ حدیثوں میں خلفائے اربعہ کے ساتھ اور صحابہ کرام بھی شریک فضائل ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔ اِس طرح (۱۸۱+ ۸۸+ ۱۷+۱۴+ ۱۶=۳۱۶) تین سو سولہ حدیثیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں روایت کی گئی ہیں۔ یہ تعداد تو اُن حدیثوں کی ہے جو مخصوص نام کے ساتھ ہیں۔ جن ہزاروں حدیثوں میں مہاجرین مومنین وغیرہ اہل ایمان و صلاح کے فضائل مذکور ہیں وہ بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں صادق آتی ہیں۔ چند حدیثیں بہ طور نمونہ اور تبرک کے یہاں نقل کی جاتی ہیں:

۱- ما دعوت احدا الی الاسلام الا کانت له عنه کبوة و تردد و نظر الا ابابکر ما عتم عنه حین ذکرته وما تردد فیه۔ (ابن اسحاق)

"مَیں نے کسی کو اسلام کی دعوت نہیں دی مگر اُس میں اُس کی طرف سے ایک گونہ کراہت، تردّد اور فکر پائی، لیکن ابوبکر سے جب مَیں نے اِسلام کا ذکر کیا تو اُنھوں نے بلا توقف و تردّد اُس کو قبول کرلیا۔"

۲- هل انتم تارکون لی صاحبی انی قلت ایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعا فقلتم کذبت و قال ابوبکر: صدقت۔ (بخاری)

"کیا تم میرے دوست کا ستانا میری خاطر سے چھوڑ دو گے۔ مَیں نے کہا کہ اے لوگو! مَیں تم سب کے پاس اللہ کی طرف سے رسول ہو کر آیا ہوں۔ تم نے کہا: جھوٹ۔ ابوبکر نے کہا: سچ ہے۔"

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے کچھ جھگڑا ہو گیا تھا۔ حضرت ابوبکر

رضی اللہ عنہ فوراً نادم ہوئے اور معافی چاہی۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے معاف کرنے سے انکار کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر یہ ماجرا عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا اَبَا بَكْرٍ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ، يَا اَبَا بَكْرٍ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ۔

"اے ابوبکر! تمھاری خطا اللہ بخشے! اے ابوبکر! تمہاری خطا اللہ بخشے!"

اِس عرصے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے۔ وہاں نہ ملے تو کاشانۂ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھا تو چہرۂ مبارک غصے سے متغیر ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ کیفیت دیکھ کر ڈر گئے اور گھٹنوں کے بل گر کر دوبار عرض کی:

اَنَا كُنْتُ اَظْلَمَ مِنْهُ۔

"زیادتی میری جانب سے ہوئی۔"

اُس وقت حدیث بالا اِرشاد فرمائی گئی۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد پھر کسی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کبھی اِیذا نہیں پہنچائی۔

۳- ما طلعت الشمس و لا غربت علی احد افضل من ابی بکر الا ان یکون نبی۔ (ابو نعیم، عبد الرحمٰن بن حمید و غیرھما)

"سوائے نبی کے آفتاب کسی ایسے شخص پر طلوع یا غروب نہیں ہوا جو ابوبکر سے زیادہ بزرگ ہو۔"

۴- اَبُوْبَكْرٍ خَيْرُ النَّاسِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ نَبِيٌّ۔ (طبرانی)

"سوائے نبیوں کے ابوبکر سب آدمیوں سے بہتر ہیں۔"

۵- ان اللہ یکرہ فوق السماء ان یخطا ابوبکر۔ (طبرانی، ابو نعیم و غیرھما)

"اللہ تعالیٰ آسمان پر اِس بات کو ناپسند فرماتا ہے کہ ابوبکر خطا کریں۔"

۶- عن عمرو بن العاص قال: قلت: یا رسول اللّٰہ! من احب الناس الیک؟ قال: عائشۃ۔ قلت: من الرجال؟ قال: ابوھا۔ قلت: ثم من؟ قال: عمر بن الخطاب۔ (بخاری، مسلم)

''عمرو بن العاص نے کہا ہے کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک سب آدمیوں میں زیادہ کون محبوب ہے؟ فرمایا: عائشہ۔ میں نے کہا: مردوں میں؟ فرمایا: ابوبکر۔ پھر عرض کی: ان کے بعد؟ فرمایا: عمر ابن الخطاب۔''

اس حدیث کو حضرت انس، حضرت ابن عمر اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کیا ہے۔

۷- عن علی ابن ابی طالب کنت مع رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ طلع ابوبکر و عمر فقال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم لابی بکر و عمر ھذان سیدا کھولا اھل الجنۃ من الاولین و الآخرین الا النبیین و المرسلین لا تخبرھما۔ (ترمذی وغیرہ)

''حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نمایاں ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نسبت فرمایا کہ یہ دونوں انبیا اور مرسلین کے سوا سارے اگلے پچھلے ادھیڑ عمر والے جنتیوں کے سردار ہیں، اِن کو خبر نہ کرنا!''

حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ سے اِس حدیث کے راوی حضرت امام زین العابدین ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔ یہ حدیث حضرات ابنِ عباس، ابن عمر، ابوسعید خدری اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کی ہے۔

۸- اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ۔ (ترمذی، امام احمد)

''میری امت میں میری امت پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکر ہیں۔''

۹- قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من نبی الا و له وزیران من اهل السماء و وزیران من اهل الارض فاما وزیرای من اهل السماء فجبریل و میکائیل و اما وزیرای من اهل الارض فابوبکر و عمر۔ (ترمذی)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس کے دو وزیر اہل آسمان سے اور دو وزیر زمین والوں میں سے نہ ہوں۔ میرے دو وزیر آسمان والوں میں سے جبرئیل اور میکائیل ہیں اور اہل زمین سے ابوبکر اور عمر۔''

۱۰- اَبُوْ بَکْرٍ فِی الْجَنَّةِ۔ (اصحاب سنن وغیرہ)

''ابوبکر جنتی ہیں۔''

۱۱- ان اهل الدرجات العلی لیراهم من تحتهم کما ترون النجم الطالع فی افق السماء و ان ابا بکر و عمر منهم۔ (ترمذی، طبرانی)

''بلند مرتبہ (جنتیوں) کو نیچے درجے والے اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم کنارۂ آسمان پر روشن ستارے کو دیکھتے ہو، ابوبکر اور عمر ان ہی میں ہیں''۔

۱۲- ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یخرج علی اصحابه من المهاجرین و الانصار و هم جلوس فیهم ابوبکر و عمر فلا یرفع الیه احد منهم بصره الا ابوبکر و عمر فانهما کانا ینظران الیه و ینظر الیهما و یتبسمان الیه و یتبسم الیهما۔ (ترمذی)

''حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام مہاجرین اور انصار کے مجمع میں تشریف لاتے تھے جن میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی ہوتے تھے، اہل جلسہ میں سے کوئی صاحب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نگاہ نہیں اُٹھاتے تھے سوائے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے، یہ دونوں صاحب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب دیکھ کر مسکراتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی طرف

دیکھ کر تبسم فرماتے تھے۔"

۱۳- ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج ذات یوم فدخل المسجد و ابوبکر و عمر احدهما عن یمینه و الآخر عن شماله و هو آخذ بایدیهما و قال هكذا نبعث یوم القیامة۔ (ترمذی، حاکم، طبرانی)

"ایک روز حضرت سرورِ عالم ﷺ دولت خانہ سے مسجد میں اِس شان سے تشریف لائے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے دائیں بائیں تھے اور آپ ﷺ اُن کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور فرمایا: ہم اِسی طرح قیامت کے دن اُٹھیں گے۔"

(دیکھو! اِسی کا انتظام کہ دونوں صحابی روضۂ اقدس میں پہلوئے مبارک میں دفن ہیں)

۱۴- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ عَنْهُ ثُمَّ اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ۔ (ترمذی، حاکم)

"حضرت سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ (قیامت کے دن) سب سے اول میرے اوپر سے زمین کشادہ ہوگی پھر ابوبکر کے پھر عمر کے۔"

۱۵- ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رای ابابکر و عمر فقال: هٰذَانِ السَّمْعُ وَ الْبَصَرُ۔ (ترمذی، حاکم، طبرانی)

"حضرت سرورِ عالم ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ دونوں سمع اور بصر ہیں۔"

۱۶- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اَنْتَ صَاحِبِیْ عَلَی الْحَوْضِ وَ اَنْتَ صَاحِبِیْ فِی الْغَارِ۔ (ترمذی)

"حضرت سرورِ عالم ﷺ نے (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے) فرمایا: تم میرے رفیق حوض (کوثر) پر ہو اور میرے رفیق غار میں۔"

۱۷- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان من امن الناس علی فی صحبتہ و مالہ ابا بکر و لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا و لکن اخوۃ الاسلام۔ (بخاری و مسلم)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن شخصوں کا میرے اوپر صحبت اور مال میں سب سے زیادہ اِحسان ہے اُن میں ابوبکر ہیں اور مَیں کسی کو اپنا خلیل (دِلی دوست) بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اخوۃ اِسلام ہے۔''

یہ حدیث تیرہ صحابیوں نے روایت کی ہے اور امام سیوطی نے اس کو متواتر حدیثوں میں داخل کیا ہے۔

۱۸- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما لاحد عندنا یدا الا وقد کافاناہ الا ابابکر فان لہ عندنا یدا یکافیہ اللہ بہا یوم القیامۃ و ما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر۔ (ترمذی)

''حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم پر کسی کا اِحسان نہیں جس کا بدلہ ہم نے نہ دے دیا ہو، مگر ابوبکر کہ اُن کا جو احسان ہمارے ذمہ ہے اُس کا بدلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دے گا اور کبھی کسی کے مال نے وہ نفع مجھ کو نہیں دیا جو ابوبکر کے مال نے دیا۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس ارشادِ مبارک کو سن کر روئے اور کہا کہ

''یارسول اللہ! کیا میرا مال آپ کا مال نہیں ہے؟''

۱۹- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحسان بن ثابت ھل قلت فی ابی بکر شیئا قال نعم فقال قل و انا اسمع فقال:

''حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک روز) حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم نے ابوبکر کی شان میں کچھ کہا ہے؟ جواب دیا: کہا ہے۔ فرمایا: مجھ کو پڑھ کر سناؤ! اُنھوں نے یہ شعر پڑھے:

اشعار

۱- وثاني اثنين في الغار المنيف و قد
طاف العدو به صعد الجبلا

اور بلند غار میں وہ دو میں کے ایک تھے، جب دشمن پہاڑ پر چڑھ کر گرد گھوم رہے تھے۔

۲- و كان حب رسول الله قد علموا من
البرية لم يعدل به احدا

وہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب ہیں اور لوگوں کو تحقیق کے ساتھ اس کا علم ہے کہ ساری مخلوق میں آپ کے نزدیک اُن کے برابر کوئی نہیں ہے۔

فضحك رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم حتى بدت نواجذه ثم قال: صدقت يا حسان! هو كما قلت. (ابوسعيد، حاكم)

یہ سن کر حضرت سرورِ عالم ﷺ اس قدر ہنسے کہ دندان مبارک نمایاں ہو گئے اور فرمایا: اے حسان! تم نے سچ کہا، وہ ایسے ہی ہیں جیسا کہ تم نے کہا۔"

۲۰- عن ابی الاروی الدوسی كنت عند رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فاقبل ابوبكر و عمر فقال: الحمد لله الذی ایدنی بکما. (بزار، حاكم)

"حضرت ابی اروی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت سرورِ عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما آئے، اُن کو دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: اُس خدا کا شکر ہے جس نے تم دونوں کے ذریعہ سے میری تائید کی۔"

۲۱- قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ابوبكر صاحبي في الغار و مونسي في الغار سدوا كل خوخة في المسجد غير خوخة ابي

بکر۔ (عبد اللہ ابن احمد)

''حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو بکر غار میں میرے رفیق تھے اور غار میں میرے مونس تھے۔ مسجد میں جس قدر کھڑکیاں ہیں سب بند کردو، مگر ابو بکر کی کھڑکی!''

جب مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی تھی تو اُس کے گرد مکانات تعمیر ہوئے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مکانوں کی کھڑکیاں مسجد کی جانب تھیں، رحلت کے قریب اِرشاد ہوا کہ سب کھڑکیاں بند کردی جائیں، ابو بکر کی کھڑکی مستثنیٰ رہے۔ (جز و ثانی اِس حدیث کا مسلم و ترمذی نے بھی روایت کیا ہے)

۲۲- اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ اَبَا بَکْرٍ فِیْ دَرَجَتِیْ فِی الْجَنَّۃِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ (حاکم)

اِرشاد مبارک ہے:

''الٰہی! ابو بکر کو قیامت کے دن جنت میں میرے ہی درجہ میں جگہ دینا!''

۲۳- یَا اَبَا بَکْرٍ! اَنْتَ عَتِیْقُ اللّٰہِ مِنَ النَّارِ۔ (حاکم، ابن عساکر)

ارشاد مبارک ہے:

''اے ابو بکر! تم کو اللہ نے دوزخ سے آزاد کر دیا ہے۔''

۲۴- یا ابابکر اعطاك اللہ الرضوان الاکبر قال: و ما رضوانہ الاکبر؟ قال: ان اللہ یتجلی للخلق عامۃ و یتجلی لك خاصۃ۔ (حاکم)

اِرشاد مبارک ہے:

''اے ابو بکر! بارگاہِ اِلٰہی سے تم کو سب سے بڑی خوش نودی عطا ہوئی۔ دریافت کیا: سب سے بڑی خوش نودی کیا ہے؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے لیے تجلی عام فرمائے گا اور تمھارے لیے تجلی خاص۔''

۲۵- اَبَی اللّٰہُ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ اَنْ یَخْتَلِفَ عَلَیْكَ یَا اَبَابَکْرٍ۔ (امام

احمد، ابو نعیم)

"اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ اور مومنین کو اِس سے سخت اِنکار ہے کہ تمھارے متعلق اِختلاف ہو۔"

۲۶- اِنْ لَّمْ تَجِدِیْنِیْ فَأْتِیْ اَبَابَکْرٍ۔ (تاریخ بخاری)

"اگر تو مجھ کو نہ پائے تو ابوبکر کے پاس آنا!"

ایک صحابی بی بی نے مدینہ میں آکر مسئلہ دریافت کیا، جب رخصت ہونے لگیں تو عرض کی کہ

"یا رسول اللہ! اگر آئندہ مَیں آؤں اور آپ نہ ملیں تو مسئلہ کس سے دریافت کروں؟"

اُن کے جواب میں آپ ﷺ نے اِرشادِ بالا صادر فرمایا۔

۲۷- مُرُوْا اَبَا بَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ)

"ابوبکر کو حکم دو کہ نماز پڑھائیں!"

جب مرضِ وفات میں آپ ﷺ مسجد میں تشریف لے جا کر اِمامت نہ فرما سکے تو اِرشادِ بالا صادر ہوا۔

۲۸- نَعَمْ وَ اَرْجُوْ اَنْ تَکُوْنَ مِنْھُمْ۔ (امام احمد، بخاری، مسلم)

"ہاں اور مَیں اُمید کرتا ہوں کہ تم اُن میں سے ہو گے۔"

ایک بار حضرت سرورِ عالم ﷺ جنت کے دروازوں اور اُن میں داخل ہونے والوں کا ذکر فرما رہے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کوئی ایسا بھی ہو گا جو سب دروازوں سے داخل ہو؟ اُس کے جواب میں حدیث مذکورۂ بالا اِرشاد ہوئی۔

۲۹- ما اوحی الی شیء الا صببتہ فی صدر ابی بکر۔ (ریاض)

"جو وحی مجھ پر نازل فرمائی گئی مَیں نے اُس کو ابوبکر کے سینہ میں نچوڑ دیا۔"

صوفیہ کرام نے اِس حدیث کو بہ کثرت روایت فرمایا ہے۔

۳۰- ما فضلکم ابو بکر بفضل صوم و لا صلوۃ و لکن بشیء وقر بصدرہ۔ (ریاض)

''ابو بکر کو تم پر نماز یا روزے کی وجہ سے فضیلت حاصل نہیں ہے بل کہ ایک باوقار چیز کی وجہ سے ہے جو ان کے سینے میں ہے۔''

اقوالِ صحابہ کرام واہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم اجمعین

۱- قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لابی بکر: یَا خَیْرَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ (ترمذی)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے سب آدمیوں سے بہتر رسول اللہ کے بعد۔''

۲- قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ: اَبُوْبَکْرٍ سَیِّدُنَا۔ (بخاری)

''فاروقِ اعظم کا یہ بھی قول ہے کہ ابو بکر ہمارے سردار ہیں۔''

۳- قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ: لَوْ وُزِنَ اِیْمَانُ اَبِیْ بَکْرٍ بِاِیْمَانِ اَھْلِ الْاَرْضِ لَرَجَحَ بِھِمْ۔ (بیھقی)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ بھی قول ہے کہ اگر ابو بکر کا ایمان سارے زمین کے اہل ایمان سے تولا جائے تو اُس کا پلہ بھاری رہے گا۔''

۱- قال علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ: خَیْرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ بَعْدَ نَبِیِّھَا اَبُوْ بَکْرٍ وَ عُمَرُ۔ (امام احمد وغیرہ)

''حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اِس امت میں اس کے نبی کے بعد ابو بکر اور عمر سب سے بہتر ہیں۔''

اِمام سیوطی کا قول ہے کہ امام ذہبی نے اِس حدیث کو متواتر لکھا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا قول ہے کہ اَسّی بزرگوں نے اس حدیث کو حضرت شیر خدا

رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۲- قال علی رضی اللّٰہ عنہ والذی نفسی بیده ما استبقنا الی خیر قط الا سبقنا ابوبکر۔ (طبرانی اوسط)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ہم کسی نیکی کی طرف نہیں جھپٹے مگر یہ کہ ابوبکر اُس میں ہم سے سبقت لے گئے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی قول مروی ہے۔

۳- قال علی رضی اللّٰہ عنہ: خیر الناس بعد رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر و عمر لا یجتمع حبی و بغض ابی بکر و عمر فی قلب مؤمن۔ (طبرانی)

''حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر اور عمر سب آدمیوں سے بہتر ہیں، میری محبت اور ابوبکر اور عمر کا بغض کسی مومن کے دل میں جمع نہیں ہوسکتا۔

۴- قال علی رضی اللّٰہ عنہ: فَهُوَ اَشْجَعُ النَّاسِ۔ (البزار)

''لہٰذا وہ سب سے زیادہ شجاع ہیں۔''

پوری حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہم نشینوں سے دریافت کیا کہ

''بتاؤ سب میں زیادہ کون بہادر ہے؟''

سب نے کہا:

''آپ۔''

فرمایا:

''میں تو جس سے لڑا میں نے اُس سے حق کا بدلہ لے لیا، سب سے

زیادہ شجاع آدمی کا نام لو!"

عرض کی:

"ہم کو نہیں معلوم۔"

فرمایا:

"ابو بکر۔ غزوۂ بدر کے معرکے میں ہم نے رسول اللہ ﷺ کے واسطے ایک سایہ دار نشست گاہ بنادی تھی اس کے بعد پوچھا گیا کہ کون شخص یہاں پاس بانی پر رہے گا جو کفار کو آپ کے پاس نہ آنے دے۔ یہ سن کر واللہ کوئی شخص آپ کے قریب نہ آیا مگر ابو بکر، وہ تلوار کھینچ کر رسول اللہ ﷺ کے قریب کھڑے ہو گئے۔ جب کوئی مشرک آپ ﷺ کے قریب آتا تو وہ شمشیر بکف اُس پر حملہ کرتے۔ لہٰذا سب سے زیادہ شجاع ہیں۔"

۵- **عن ابی یحیی قال لا احصی کم سمعت علیا یقول علی المنبر ان اللّٰہ عزوجل سمی ابابکر علی لسان نبیہ ﷺ صدیقا۔ (دارقطنی فی الافراد، اصابہ)**

"ابو یحییٰ سے روایت ہے کہ اُنھوں نے کہا کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں نے کتنی مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر کہتے ہوئے سنا کہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ کی زبانی ابو بکر کا نام صدیق رکھا ہے۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر سنی تو اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر ان کے مکان پر یہ فرماتے ہوئے تشریف لائے:

۶- **الیوم انقطعت خلافۃ النبوۃ۔**

"آج خلافتِ نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔"

جس مکان میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی لاش تھی اُس کے دروازہ پر کھڑے ہو کر ذیل کا بلیغ خطبہ دیا جو فی الحقیقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اوصاف باطنی اور ظاہری اور اُن

کے مراتب وفضائل کا پورا تبصرہ ہے۔ اس خطبہ سے اندازہ ہوگا کہ حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کے دل میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی عظمت و محبت کس قدر تھی:

خطبہ

یرحمك الله یا ابا بکر! کنت الف رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم و انسه و مستراحه و ثقته و موضع سره و مشاورته کنت اول القوم اسلاما و اخلصهم ایمانا و اشدهم یقینا و اخوفهم لله و اعظمهم عناء فی دین الله و احوطهم علی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم و احدبهم علی الاسلام ایمنهم علی اصحابه و احسنهم صحبة و اکثرهم مناقب و افضلهم سوابق و ارفعهم درجة و اقربهم وسیلة و اشبههم برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم هدیا و سمتا و رافة و فضلا و اشرفهم منزلة و اکرمهم علیه و اوثقهم عنده فجزاك الله عن الاسلام و عن رسوله خیرا کنت عنده بمنزلة السمع و البصر صدقت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم حین کذبه الناس فسماك الله عزوجل فی تنزیله صدیقا فقال: وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖ۔ الذی جاء بالصدق محمد و صدق به ابوبکر واسیته حین بخلو او قمت به عند المکاره حین عنه قعدوا و صحبته فی الشدة اکرم الصحبة ثانی اثنین و صاحبه فی الغار والمنزل علیه السکینة و رفیقه فی الهجرة و خلیفته فی دین الله و امته احسن الخلافة حین ارتد الناس و قسمت بالامر مالم یقسم به خلیفة نبی فنهضت حین وهن اصحابکم وبرذت حین استکانوا وقویت حین ضعفوا لزمت منهاج رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم اذ هووا كنت خليفة حقا لم تنازع و لم تصدع برغم المنافقين و كبت الكافرين وكره الحاسدين و غيظ الباغين و قمت بالامر حين فشلوا و ثبت اذ تنعنعوا و مضيت بنور الله اذ وقفوا فاتبعوك فهدوا و كنت اخفضهم صوتا و اعلاهم فوقا و امثلهم كلاما و اصوبهم منطقا و اطولهم صمتا و ابلغهم قولا و اشجعهم نفسا و اعرفهم بالامور و اشرفهم عملا كنت والله للدين يعشويا اولا حين نفس عليه الناس و آخرا حين اقبلوا كنت للمؤمنين ابا رحيما حتى صاروا عليك عيالا فحملت اثقال ما ضعفوا و رغبت ما اهملوا و حفظت ما اضاعوا و علمت ما جهلوا و شهرت اذ خضعوا و صبرت اذ جزعوا فادركت اوتاد ما طلبوا و راجعوابرشدهم برايك فظفروا ونالوا بك مالم يحتسبوا كنت على الكافرين عذابا صبا و لهبا و للمؤمنين رحمة و انسا و حضما فطرت و الله بفضائها و فزت بخبائها و ذهبت بفضائلها و ادركت سوابقها لم تقلل حجتك و لم تضعف بصيرتك و لم تجبن نفسك و لم يزغ قلبك و لم يحسر كنت كالجبل الذى لا تحركه القواصف و لا تزيله العواصف و كنت كما قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم آمن الناس علينا فى صحبتك و ذات يدك و كنت كما قال ضعيفا فى بدنك قويا فى امر الله متواضعا فى نفسك عظيما عند الله جليلا فى اعين الناس كبيرا فى انفسهم لم يكن لاحد فيك مغتر و لا لقائل فيك مهمز و لا لاحد فيك مطمع ولا لمخلوق عندك هوادة الضعيف الذل عندك قوى

عزیز حتی تاخذ بحقه و القوی عندك ضعیف ذلیل حتی
تاخذ منه الحق القریب و البعید عندك فی ذلك سواء اقرب
الناس الیك اطوعهم لله و اتقاهم له شانك الحق و الصدق
و الرفق قولك حکم حتم و امرك حلم و حزم و رایك علم و
عزم فاقلعت و قد نهج السبیل و سهل العسیر و اطفیت
النیران و اعتدل بك الدین و قوی بك الایمان و ثبت
الاسلام و المسلمون و ظهر امر الله و لو کره الکافرون
فسبقت و الله سبقا بعیدا و تعبت من بعدك اتعابا شدیدا و
فزت لخیر فوزا مبینا فجللت عن البکاء و عظمت رضیتك
فی السماء و بدت مصیبتك و فی الانام فانا لله و انا الیه
راجعون و رضینا عن الله قضاءه و سلمنا له امره فوالله لن
یضار المسلمون بعد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بمثلك ابدا کنت
للدین عزا و حرزا و کهفا و للمؤمنین فئة و حصنا و غیثا و
علی المنافقین غلظة و غیظا فالحقك الله بنبیك صلی اللہ علیہ وسلم و
لا حرمنا اجرك و لا اضلنا بعدك فانا لله و انا الیه راجعون۔

"اے ابوبکر! تم پر خدا کی رحمت، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب، مونس، سرور، معتمد، رازدار اور مشیر تھے۔ تم مسلمانوں میں سب سے پہلے ایمان لائے، تمہارا ایمان سب سے زیادہ خالص اور تمہارا یقین سب سے اُستوار تھا۔ تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے اور سب سے بڑھ کر دین کو نفع رساں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سب سے زیادہ حاضر باش۔ اسلام پر سب سے زیادہ شفیق۔ اصحاب رسول اللہ کے لیے سب سے زیادہ بابرکت۔ رفاقت میں سب سے بہتر۔ سب سے زیادہ صاحب مناقب۔ فضائل کی دوڑ میں سب سے آگے۔ درجہ میں سب

سے بلند۔ سب سے قریب وسیلہ اور رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ۔ سیرۃ میں، ہیئت میں، مہربانی میں اور فضل میں، قدر و منزلت میں سب سے بلند اور آپ کے نزدیک سب سے بڑھ کر معتمد۔ اللہ تعالیٰ تم کو اسلام کی جانب سے جزائے خیر دے اور اپنے رسول کی جانب سے۔ تم آپ ﷺ کے نزدیک بہ منزلہ سمع و بصر تھے۔ تم نے رسول اللہ ﷺ کو اُس وقت سچا مانا جب سب نے آپ کو جھوٹا کہا۔ اسی لیے اللہ عزوجل نے اپنی وحی میں تمھارا نام صدیق رکھا۔ چناں چہ فرمایا: اور وہ جو سچ کو لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی۔ لانے والے محمد ﷺ تصدیق کرنے والے ابوبکر، تم نے آپ ﷺ کے ساتھ غم خواری کی جب اوروں نے تنگ دلی کی، جب لوگ مصائب کے وقت مدد سے بیٹھ رہے تھے تم آپ ﷺ کی مدد پر قائم رہے، سختی میں تم نے آپ ﷺ کی بہترین رفاقت کی، تم دو میں کے ایک تھے اور غار میں رفیق اور وہ شخص جس پر اللہ تعالیٰ نے سکینت (تسکین قلب) نازل فرمائی۔ اور آپ کے ساتھی ہجرت میں تھے اور آپ کے خلیفہ دین الٰہی میں اور امت میں۔ جو لوگ مرتد ہوئے تم نے بہترین خلافت کی اور امر الٰہی کی تم نے وہ حفاظت کی جو کسی نبی کے خلیفہ نے نہیں کی۔ جب تمھارے ساتھی سستی کرنے لگے تو تم اٹھ کھڑے ہوئے اور جب وہ دب گئے تو تم دلیر ہو گئے اور جب وہ کمزور ہو گئے تو تم قوی رہے۔ تم رسول اللہ ﷺ کے طریقے سے اُس وقت چپٹے رہے جب لوگ مضطرب ہو گئے اگر چہ اس سے منافقین کو غصہ، کفار کو رنج، حاسدوں کو کراہت اور باغیوں کو غیظ و غضب تھا۔ تاہم تم بلا نزاع و تفرقہ خلیفہ برحق تھے۔ تم دین الٰہی پر قائم رہے جب لوگ بزدل ہو گئے۔ اور جب وہ گھبرا اُٹھے تو تم ثابت قدم رہے اور جب وہ رُک گئے تو تم نورِ الٰہی کی روشنی میں رواں رہے پھر انھوں نے (بھی) تمھاری پیروی کی اور منزل

پر پہنچ گئے۔ تمھاری آواز سب سے پست، تمھارا تفوق سب سے اعلیٰ، تمھارا کلام سب سے زیادہ باوقار، تمھاری گفتگو سب سے زیادہ باصواب، تمھاری خاموشی سب سے زیادہ طویل۔ تمھارا قول سب سے زیادہ بلیغ تھا۔ تمھاری ذات سب سے زیادہ شجاع۔ اور معاملات سے زیادہ واقف اور عمل میں سب سے زیادہ بزرگ تھی۔ واللہ تم اہل دین کے سردار تھے جب لوگ دین سے ہٹے تو تم آگے بڑھے اور جب وہ دین پر جھکے تو تم اُن کے پیچھے پیچھے تھے۔ تم اہل ایمان کے مہربان باپ تھے اس مہرِ پدری سے وہ تمھاری اولاد بن گئی جن بھاری بوجھوں کو وہ نہ اُٹھا سکے اُن کو تم نے اُٹھایا۔ جو اُن سے فروگذاشت ہوئی اُس کی تم نے نگہداشت کی۔ جو چیز اُنھوں نے کھودی اُس کی تم نے حفاظت کی۔ جو اُنھوں نے نہ جانا وہ تم نے سکھایا۔ تم نے جاں بازی کی جب وہ عاجز ہو گئے۔ تم ثابت قدم رہے جب وہ گھبرا گئے۔ تم نے دادخواہوں کی دادرسی کی، وہ اپنی رہ نمائی کے لیے تمھاری رائے کی جانب رجوع ہوئے اور کام یاب ہوئے۔ تمھارے ذریعہ سے اُن کو وہ ملا جس کا اُن کو گمان نہ تھا۔ تم کافروں کے لیے بارش عذاب اور آتش سوزاں تھے اور مومنوں کے لیے رحمتِ اُنس و پناہ۔ تم نے اوصاف کی فضا میں پرواز کی اُن کا خلعت پالیا۔ اُن کے محاسن لے لیے اور فضائل کی بازی جیت لی۔ تمھاری دلیل کو شکست نہیں ہوئی۔ تمھاری بصیرت کم زور نہیں ہوئی اور تم نے بزدِلی نہیں کی۔ تمہارا دل نہ کج ہوا اور نہ پھرا۔ تم اس پہاڑ کی مثل تھے جس کو نہ شدائد ہلا سکتے ہیں اور نہ ہوا کے طوفان ہٹا سکتے ہیں۔ تم بقول آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رفاقت اور مال میں زیادہ منت افزا تھے اور بہ قول آپ کے بدن کے ضعیف تھے حکم الٰہی میں قوی۔ خود اپنے ذہن میں ناچیز، اللہ تعالیٰ کے نزدیک گرامی قدر، انسانوں کی نگاہوں میں با اِجلال اور دلوں میں

باوقعت تھے۔ تمھاری نسبت کسی کو آنکھ مارنے کی مجال نہ تھی اور نہ کوئی طعن کا موقع پا سکتا تھا۔ کسی کے لیے تم محل طمع نہ تھے اور نہ مخلوق میں کسی کی رعایت بے جا کر سکتے تھے۔ عاجز اور ذلیل تمھارے نزدیک قوی اور معزز تھا کہ تم اُس کا حق لے کر مانتے تھے اور زبردست تمہارے سامنے کم زور اور ناچیز تھا کہ تم اُس سے حق لے کر رہتے تھے۔ اس معاملے میں قریب و بعید سب تمھاری نظر میں برابر تھا۔ تمھارا سب سے زیادہ مقرب وہ تھا جو خدا کا سب سے زیادہ فرماں بردار اور سب سے زیادہ پرہیز گار تھا۔ تمھاری شان حق، راستی اور نرمی تھی۔ تمھارا قول حکم اور قطعی تھا۔ تمھارے حکم میں حلم تھا اور حزم۔ رائے میں دانائی تھی اور عزم تھا۔ ان اوصاف و فضائل کی قوت سے تم نے باطل کو اُکھیڑ کر پھینک دیا اُس کے بعد راستہ صاف تھا، مشکل آسان تھی اور (فتنہ وفساد کی) آگ سرد۔ دین تمھاری مدد سے اعتدال پر آ گیا، ایمان تمھاری وجہ سے قوی ہو گیا اور اِسلام اور مسلمان مضبوط ہو گئے اور فرمانِ الٰہی غالب آ گیا۔ اگرچہ کفار کو یہ سخت ناگوار تھا۔ اس حسن خدمت میں واللہ تم بہت آگے نکل گئے اور اپنے جانشین کو سخت دُشواری میں ڈال دیا اور علانیہ خیر کے مراتب پالیے، تمھاری شان آہ و بکا سے ارفع ہے اور تمھارا ماتم آسمان پر عظیم ہے اور تمھاری مصیبت نے لوگوں کی کمر توڑ دی، تمھاری مصیبت پر ہم اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہتے ہیں۔ قضائے الٰہی پر رضامند ہیں اور اس کے حکم کو تسلیم کرتے ہیں۔ واللہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد تمھاری وفات سے بڑھ کر مسلمانوں پر کبھی کوئی مصیبت نہیں پڑے گی۔ تم دین کی عزت، حفاظت اور پناہ تھے مسلمانوں کی جمعیت، قلعہ اور جائے پناہ اور منافقین کے حق میں سختی اور غصہ۔ اس کی جزا میں اللہ تعالیٰ تم کو تمھارے نبی ﷺ سے ملا دے۔ اور ہم کو تمھارے اجر سے محروم اور تمھارے بعد گم

راہ نہ فرمائے۔ہم پھر انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون کہتے ہیں۔"
راوی کا بیان ہے کہ جب تک حضرت علی رضی اللہ عنہ خطبہ دیتے رہے سب آدمی خاموش رہے، جب خطبہ ختم ہوا تو اس قدر روئے کہ آواز بلند ہوگئی اور بالاتفاق کہا کہ "اے رسول اللہ کے خویش! آپ نے سچ فرمایا۔" (الریاض النضرۃ)

قال عبد اللّٰہ بن جعفر رضی اللّٰہ عنہما ولینا ابوبکر فکان خیر خلیفۃ اللّٰہ و ارحمہ و ارضاہ علینا۔ (الحاکم)

"حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ابوبکر ہم پر والی ہوئے تو اس شان سے کہ مخلوق الٰہی میں سب سے بہتر تھے اور ہم پر سب سے زیادہ مہربان اور سب سے زیادہ ہم سے خوش۔"

قال ابو مریم کنت بالکوفۃ فقام الحسن بن علی خطیبا فقال ایھا الناس رایت البارحۃ فی منامی عجبا رایت الرب تعالٰی فوق عرشہ فجاء رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی قام عند قائمۃ من قوائم العرش فجاء ابوبکر فوضع یدہ علٰی منکب رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم جاء عمر فوضع یدہ علٰی منکب ابی بکر ثم جاء عثمان فکان بیدہ راسہ فقال رب سل عبادك فیم قتلونی فانبعث من السماء میزابان من دم فی الارض قال فقیل لعلی الا تری ما یحدث بہ الحسن قال یحدث بما رای۔ (ابو یعلٰی)

"ابو مریم کا بیان ہے کہ میں کوفہ میں تھا۔ امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ اے لوگو! رات میں نے ایک عجیب خواب دیکھا۔ میں نے رب کریم کو عرش پر دیکھا، اسی عرصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور عرش کے ایک پایہ کے پاس قیام فرمایا، پھر ابوبکر آئے اور دوش

مبارک پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے، پھر عمر آئے اور ابوبکر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ پھر عثمان آئے اُن کے ہاتھ میں اُن کا سر تھا عرض کی: الٰہی! اپنے بندوں سے پوچھ کہ انہوں نے مجھ کو کس قصور میں قتل کیا؟ اِس کہنے پر آسمان سے دوخون کے پرنالے زمین میں بہنے لگے۔ یہ خطبہ سن کر لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ دیکھتے ہیں حسن کیا کہتے ہیں۔ فرمایا: جو دیکھا وہ کہتے ہیں۔"

قال ابو جعفر: ما رایت احدا من اهل بیتی الا وهو یتولی بهما۔ (امام احمد)

"حضرت امام باقر کا قول ہے کہ میں نے کسی کو اپنے اہل بیت میں سے نہیں دیکھا جو ان دونوں حضرات (حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) سے محبت نہیں رکھتا تھا۔"

عن ابی حفصة قال سالت محمد بن علی و جعفر بن محمد عن ابی بکر و عمر فقال اما ما عدل نتولهما و نتبرء من عدهما ثم التقت الی جعفر بن محمد فقال یا سالم السیبب الرجل جده ابوبکر الصدیق جدی لا تنال بشفاعة جدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لم اکن اتولهما و اتبرء من عدوهما۔ (امام محمد)

"ابی حفصہ سے روایت ہے کہ مَیں نے محمد بن حنفیہ اور امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی نسبت رائے طلب کی، دونوں نے کہا کہ وہ دونوں امام عادل تھے، ہم ان کو دوست رکھتے ہیں اور اُن کے دُشمن سے بیزار ہیں۔ پھر امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا: اے سالم! کیا کوئی اِنسان اپنے جد کو گالی دے سکتا

ہے! ابوبکر صدیق میرے جد ہیں، مجھ کو میرے جد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب نہ ہو اگر میں ان دونوں سے محبت نہ رکھتا ہوں اور اُن کے دُشمنوں سے بیزار نہ ہوں۔"

و عن ابی جعفر: من جهل فضل ابی بکر و عمر جهل السنة۔ (امام محمد)

حضرت امام باقر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جو شخص حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت کو نہیں جانتا وہ سنت کو نہیں جانتا۔"

و عنه: قال بغض ابی بکر و عمر نفاق و بغض الانصار نفاق انه کان بین بنی هاشم و بین بنی عدی و بنی تیم شحناء فی الجاهلیة فلما اسلموا نزع الله ما في قلوبهم حتی ان ابابکر اشتکی خاصرته فکان علی لسیخن یده بالنار و یکمد بها خاصرة ابی بکر و نزلت فیهم: وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُتَقَابِلِیْنَ۔ (امام محمد)

"حضرت امام باقر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے بغض نفاق ہے اور انصار سے بغض، نفاق ہے۔ بنی ہاشم، بنی عدی (قبیلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ) اور بنی تیم (قبیلہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) میں زمانہ جاہلیت میں عداوت تھی۔ جب یہ قبیلے مسلمان ہو گئے تو اُن کے دل میں جو کچھ (عداوت) تھی اللہ تعالیٰ نے نکال لی۔ اب نوبت یہ پہنچی کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں درد ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ آگ سے گرم کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پہلو سینکتے تھے۔ انہیں بزرگوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی: (ترجمہ) ان کے دلوں میں جو کچھ عداوت تھی ہم نے کھینچ لی۔ بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوئے۔"

جاء رجل الٰی علی بن الحسین فقال ما کان منزلة ابی بکر و عمر من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال کمنزلتهما منه الساعة۔ (امام احمد)

"ایک شخص نے حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اِستفسار کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا کیا مرتبہ تھا؟ فرمایا: وہی مرتبہ تھا جو اس وقت بھی ہے (یعنی روضۂ اقدس میں سب سے زیادہ قرب حاصل ہے)۔"

قال الزبیر بن العوام انا نرٰی ابابکر احق الناس بها بعد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم انه لصاحب الغار و ثانی اثنین و انا لنعلم شرفه و کبره و لقد امره رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بالصلٰوة بالناس و هو حی۔ (الحاکم)

"حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہم سب سے زیادہ خلافت کا مستحق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جانتے ہیں۔ وہ بالتحقیق رفیق غار تھے اور دو میں کے ایک تھے اور ہم کو اُن کا شرف اور اُن کی بزرگی خوب اچھی طرح معلوم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات مبارک میں اُن کو امامت کا حکم فرمایا تھا۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک یہ بھی فضیلت خاص ہے کہ اُن کی چار نسلیں صحابی تھیں؛ وہ خود، اُن کے والد حضرت ابوقحافہ، اُن کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت عبدالرحمٰن کے بیٹے ابوعتیق محمد رضی اللہ عنہم۔

(الاستیعاب، بہ سند امام بخاری ذکر محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہم)

باب چہارم (1)

اوّلیاتِ صدیقی

(۱) مردوں میں سب سے اول اسلام قبول کیا۔
(۲) سب سے اول قرآن شریف کا نام مصحف رکھا۔
(۳) آں حضرت ﷺ کے بعد سب سے پہلے قرآن شریف کو جمع کیا۔
حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ
"اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرمائے وہ سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کو ترتیب مخصوص کے ساتھ جمع کیا جو تمام امت کے نزدیک مقبول ہے اور جس پر ساری امت کا اتفاق ہے۔"
(۴) سب سے پہلے وہ شخص ہیں جو آں حضرت ﷺ کی جانب سے کفار سے لڑے اس لیے وہ دین الٰہی اور دعوتِ نبوت کے سب سے پہلے مجاہد ہیں۔

1- اس باب کا ماخذ (بہ استثنا نمبر ۱۴ و ۱۶ کے) کتاب محاضرۃ الاوائل مؤلفہ شیخ علاء الدین سکنواری ہے جو امام سیوطی کی کتاب محاضرۃ الاوائل سے ماخوذ ہے۔ نمبر ۱۴ کا ماخذ صحیح بخاری مطبوعہ مطبع احمدی ۱۲۸۲ھ کا صفحہ ۵۵۳ ہے۔ نمبر ۱۶ کا ماخذ رسالہ مناقب الخلفا مؤلفہ سید نور الحسن خاں مرحوم بھوپالی ہے جو تاریخ الخلفا سیوطی کا خلاصہ ہے۔

(۵) سب سے پہلے خلیفہ راشد ہیں۔

(۶) سب سے پہلے وہ خلیفہ ہیں جن کو باپ کی حیات میں خلافت ملی۔

(۷) سب سے پہلے انہوں نے خلافت کے لیے ولی عہد مقرر کیا۔

(۸) سب سے پہلے بیت المال قائم کیا۔

(۹) سب سے پہلے صدر اسلام میں اجتہاد کیا۔

(۱۰) صحابہ کرام میں سب سے اوّل اِجتہاد کیا۔

(۱۱) سب سے پہلے اُن کا لقب خلیفہ ہوا۔

(۱۲) اِسلام میں سب سے پہلے اُن کا لقب عتیق ہوا۔

(۱۳) اُمتِ محمدیہ میں سب سے پہلے داخل جنت ہوں گے۔

(۱۴) سب سے پہلے اسلام میں مسجد انہوں نے بنائی۔

(۱۵) سب سے پہلے یہ مقولہ انہوں نے فرمایا: اَلْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ۔

(۱۶) اِسلام میں سب سے اول لقب ان کو ملا یعنی عتیق۔

خاتمہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زندگی کے معتبر اور مستند حالات و واقعات آپ نے پڑھے۔اُن کی زندگی کے دو حصے ہیں:

ایک:قبل اِسلام

دوسرا:بعدِ اسلام

مسلمان ہونے سے پہلے بھی وہ رئیس قریش تھے اور دولت مند تاجر، ریاست اور دولت کے ساتھ ساتھ حسن اخلاق، ہم دردی، وسعت معلومات، دانش مندی اور معاملہ فہمی میں صاحبِ اِمتیاز تھے، ان ہی صفات کے اثر سے قوم میں محبوب اور معتمد تھے۔گزشتہ واقعات سے واقف تھے۔حال کے حالات کا سفر اور تجارت کے ذریعے سے تجربہ حاصل تھا، اُن کی صفات کی شہرت نواحِ مکہ تک محدود نہ تھی بل کہ ابن الدغنہ کا قول ثابت کرتا ہے کہ ان کی اخلاقی خوبیاں دور دور تک مسلم تھیں۔شراب کبھی نہیں پی۔شعر پر پوری قدرت تھی۔ یہ اوصاف اور حالات بتاتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت میں بھی ایک سلیم الطبع، غم خوار و دانش مند اور زندہ دل انسان تھے۔جس اِنسان میں یہ صفات ہوں وہ بہترین ہم دم و رفیق بن سکتا ہے۔

آفتابِ رسالت کے طلوع ہونے سے ایک سال پہلے سے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُن کی آمد و رفت تھی۔جس طرح طلوعِ آفتاب سے قبل نور کا

ظہور ہو جاتا ہے اِسی طرح قربِ وحی کے زمانہ میں انوارِ رسالت کا ظہور شروع ہو گیا تھا۔ خلوت گزینی و عبادت مزاجِ اقدس کو بہت زیادہ مرغوب ہو گئی تھی۔ رویاے صادقہ (سچے خواب) نظر آتے تھے۔ غرض بیداری و خواب دونوں حالتوں میں ظہورِ نور تھا۔ ظاہر ہے کہ اس زمانہ کی صحبت بھی بے اثر نہ رہ سکتی تھی۔ اس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نزولِ وحی سے پہلے قبولِ اِسلام اور رفاقت و خلافت کی قابلیت و اِستعداد سے مشرف ہو چکے تھے۔ اسی کا اثر تھا کہ جب اِسلام کی صدا کان میں آئی، مانوس محسوس ہوئی۔ اُدھر حضرت صادق امین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تبلیغ اِسلام ہوئی اِدھر بے تامل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اٰمَنَّا کہا اور تصدیق کی اُس قوت کے ساتھ کہا جو صدیقیت کے خلعت سے مشرف ہوئی۔

شرفِ اِسلام کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زندگی اِطاعت و اِستقامت کا مرقع ہے اور اِرشادِ ربانی یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً (یعنی اے ایمان والو! اِسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ!) کی تا بہ حد بشر تعمیل۔ جسم، جان، شان، عقل و فراست، اولاد، مال، جائداد، آرام و آسائش؛ غرض جو کچھ اُن کی بساط میں تھا اللہ اور اُس کے رسول کے حکم پر قربان تھا۔ اِسی لیے فاروقِ اعظم اور حضرت شیرِ خدا رضی اللہ عنہما کی شہادت ہے:

ما استبقنا الٰی خیر الا سبقنا ابوبکر۔

''ہم جس نیکی کی طرف جھپٹے اس میں ابوبکر ہم سے سبقت لے گئے۔''

اپنی وجاہت کے اثر سے سابقین اولین کے اعلیٰ افراد کو خدمتِ مبارک میں قبولِ اِسلام کے واسطے لا کر پیش کیا۔ مال خدمت اِسلام کے لیے وقف تھا۔ مالی سرمایہ آخر عمر تک تجارت کے ذریعے سے بڑھایا اور اللہ اور اُس کے رسول کی راہ میں صرف کیا۔ کم زور مسلمانوں کو خرید خرید کر ظالم آقاؤں کے پنجے سے چھڑایا۔ مجاہدین کی خدمت میں بے دریغ روپیہ خرچ کیا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر جو کچھ تھا سب لا کر

حاضر کر دیا۔ حضرت سرورِ عالم ﷺ اُس کو دیکھ کر فرماتے ہیں:

"اے ابو بکر! بال بچوں کے لیے کیا چھوڑا؟"

جواب میں عرض کرتے ہیں:

"اللہ اور اس کے رسول کو رکھ چھوڑا ہے۔"

اللہ اکبر، کیسا پاکیزہ سرمایہ رکھا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اُن دس اشرفیوں کی قیمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے جو مسجد نبوی کی زمین کا زرِ ثمن تھیں۔ اُس پاک سرزمین کا ایک ٹکڑا روضۂ جنت ہے، یہ منبر شریف اور قبر مبارک کے درمیان ہے، دوسرا عرش سے بھی افضل ہے جو جسم اطہر کو مس کر رہا ہے۔

جان و مال کی اصل طہارت یہ تھی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے مال اور اپنے نفس کو اپنی ملکیت نہیں جانتے تھے بلکہ دونوں کو حضرت سرورِ عالم ﷺ کی ملکیت جانتے اور مانتے تھے۔ جب اِرشاد مبارک ہوا:

ما نفعني مال احد قط ما نفعني مال ابی بکر۔

(کسی کے مال نے مجھ کو وہ نفع نہیں دیا جو ابو بکر کے مال نے دیا)

تو یارِ غار نے رو کر عرض کی:

"یارسول اللہ! کیا مَیں اور میرا مال آپ کے نہیں ہیں۔"

اسی تسلیم و رضا کا اثر تھا کہ حضرت سرورِ عالم ﷺ اُن کا مال مثل اپنے مال کے بے تکلف صرف فرماتے تھے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جب تک زندہ رہے خدمت دِین کے واسطے کماتے رہے، جب زندگی کے ساتھ خدمت کا سلسلہ قطع ہوا تو مال بھی ختم ہوا۔ وفات کے بعد نقد ایک حبہ پاس نہ تھا اور کفن کے لیے کوڑی نہیں چھوڑی۔

اولاد بھی اللہ اور اُس کے رسول کی مرضی پر قربان تھی۔ جب حضرت خدیجہ

الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات سے خاطرِ اقدس ملول تھی تو اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں دے دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ جب تک کافر رہے اُن کو دُشمن جانی کی طرح دیکھا۔ تعلق کجا، بدر میں جب اُن کو لشکر کفار میں دیکھا تو نہایت خشم گیں ہو کر کہا:

این مالي یا خبیث! (اے پلید! میرے حقوق کیا ہوئے)

دیکھو حقوق یہی تھے کہ لشکر اسلام کی صف میں لڑیں اور اسلام پر قربان ہوں۔ غزوۂ اُحد میں تلوار میان سے لے کر اُن کے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے تھے، مگر دربار رسالت سے میدان میں جانے کی اجازت نہیں ملی۔ جب اُنھوں نے مسلمان ہو کر ایک مرتبہ کہا کہ

"ابا جان! ایک موقع پر غزوۂ بدر میں آپ میری زد پر آگئے تھے، مگر مَیں نے بچا دیا۔"

سن کر فرمایا کہ

"بیٹا! اگر تم میری زد پر آجاتے تو مَیں ہرگز نہ چھوڑتا۔"

ایک دوسرے صاحب زادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ غزوۂ طائف میں کام آئے اور خلعت شہادت سے سرخ رُو ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

دو صاحب زادیوں نے باپ سے حدیث روایت کی۔ یعنی حضرت عائشہ اور حضرت اسما رضی اللہ عنہما۔

فتح مکہ کے وقت اپنے نود (۹۰) سالہ بوڑھے اور نابینا باپ کو خدمت میں لا کر حاضر کیا کہ شرفِ اسلام سے مشرف ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا کہ

"ابوبکر! بڑے میاں کو کیوں تکلیف دی، مَیں خود ان کے پاس چلتا۔"

عرض کی کہ

"انھی کو حاضر خدمت ہونا چاہیے تھا۔"

ہجرت کے واقعات پر غور کرو! خوں خوار دُشمنوں کا نرغہ ہے، بارہ منزل دور مدینہ طیبہ ہے، مکہ مکرمہ میں اہل و عیال اور مال و جائداد کا کوئی ظاہری محافظ نہیں۔ گھر میں بال بچوں کے حلقے میں بیٹھے ہیں کہ اسی اثنا میں آں حضرت ﷺ تشریف لا کر اِرشاد فرماتے ہیں:

''ابوبکر ہجرت کا حکم آ گیا۔''

بے اختیار منھ سے نکلتا ہے:

''اور میری رفاقت کا؟''

اِرشاد ہوتا ہے:

''اس کی بھی اِجازت ہے۔''

یہ مژدۂ جاں فزا سن کر جوشِ مسرت سے بے تاب ہو جاتے ہیں اور نہایت شوق سے سامانِ سفر کا اِہتمام کرتے ہیں۔ بی بی، بچے، مال اور مکان سب آنکھوں کے سامنے ہیں، اُن کی مصیبت اور تباہی بھی شاید ذہن میں آئی ہوگی، لیکن ہم دمی حبیب (روحی فداہ) کے ذوق کے مقابلے میں کسی کی پروا نہیں۔ کوئی سیرت یا تاریخ اِس کا پتا ہی نہیں دیتی کہ مژدۂ ہجرت اور ہجرت کے درمیان جو وقت ملا اُس میں اُنھوں نے اپنی اولاد یا جائداد کی آسائش و حفاظت کا کچھ بھی بندوبست کیا ہو۔ اِنتہا یہ کہ باپ کو بھی خبر نہ کی۔ جو نقد سرمایہ تھا وہ خدمت کے لیے ساتھ لے لیا اور خوں خوار کفار کے نرغے میں سب کچھ چھوڑ کر رکابِ سعادت میں بہ اِطمینانِ قلب روانہ ہو گئے۔

اُن کی تسلیم و رضا کا پرتو اُن کے گھر والوں پر بھی اِس قدر تھا کہ بہ جاے پریشان ہونے کے دوسروں کی پریشانی رفع کرتے تھے۔ جب بوڑھے دادا مضطرب ہو کر آئے تو پوتی نے تدبیر سے اُن کی تسکین کر دی حالاں کہ اسی پوتی کو بے کسی میں ابوجہل کی شقاوت کا صدمہ پہنچا تھا۔

شرفِ اِسلام کے بعد سے آں حضرت ﷺ کی رحلت تک پروانہ وارشمع رسالت

(بِاَبِیْ وَ اُمِّیْ) پر قربان و نثار تھے۔ تمام جاں فروشی کے موقعوں پر یعنی غزوات میں شمشیر بہ کف ہم رکاب رہے۔ بدر میں جو شانِ شجاعت دکھائی اس نے حضرت شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کی زبانِ مبارک سے ''اشجع الناس'' کا خطاب دلوایا۔ احد کے حوصلہ فرسا ہنگامے میں سب سے اوّل حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ حالتِ مجروحی شہدا کی لاشوں میں دیکھ کر شناخت کیا، جب اُن کے بیٹے عبد الرحمٰن نے کفار کی طرف سے میدان میں آکر حلیف طلب کیا تو تلوار میان سے نکال کر مقابلے کے لیے تیار ہو گئے اور اِجازت طلب کی۔ فرمانِ رسالت ہوا:

ثم سیفك و امتعنا بك۔

(تلوار میان میں کرلو اور ہم کو اپنی ذات سے متمتع ہونے دو!)

یہ فرمان سنا تو قصد ملتوی کر دیا۔ لڑائی اور صلح سب میں آپ ہی کی خوش نودی مطلوب تھی۔

غزوۂ خندق میں ایک دستہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ماتحت تھا۔ دیکھو صداقت کی برکت! جس موقع پر یہ دستہ متعین تھا وہاں ایک مسجد بنی جو صدیوں تک قائم رہی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ اُن کے زمانہ تک موجود تھی۔ یعنی بارھویں صدی ہجری میں۔

حدیبیہ کے معرکے میں جو وقت معرکہ کا تھا اُس میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک بے تاب تھے، مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تسلیم و رضا کا یہ جلوہ تھا کہ اِضطراب کجا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے جا کر ماجرا بیان کیا تو صرف اِس قدر کہا کہ رکابِ سعادت تھامے رہو!

تبوک میں جائزۂ فوج، امامت اور بڑا نشان یہ سب خدمات حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سپرد تھیں۔

اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا وقت کیسا ہوش رُبا وقت

تھا۔ دُنیا میں ایسے اشخاص کی وفات سے جو سرگروہ اور کارفرما ہوتے ہیں ایک تلاطم برپا ہو جاتا ہے۔ چہ جائے کہ اُس ذاتِ پاک کی رحلت جو دونوں عالم کی مرکز تھی، جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جان سے قربان تھے اور جس کے وجود باوجود کی برکت سے وحی کا سلسلہ قائم تھا۔ انوار قدس کی بارش اس عالم خاک دان پر ہو رہی تھی اور اس فیض و برکت کو اُس قدسی گروہ کا ہر فرد محسوس کرتا تھا۔ چناں چہ اپنے خلافت کے دور میں جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کے پاس بہ اِتباعِ سنت نبوی گئے تو وہ روئیں اور رونے کی وجہ یہ بتائی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے سلسلۂ وحی منقطع ہو گیا۔ اِس حادثہ کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وقف حیرت تھے، مسجد میں صحابہ کرام کا مجمع تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُس مجمع میں یہ تقریر فرما رہے تھے کہ

"منافق کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، واللہ! وفات نہیں پائی ہے، بل کہ اپنے رب کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی طرح گئے ہیں جو چالیس روز غائب رہ کر واپس آ گئے تھے۔ حالاں کہ اُن کی نسبت بھی کہا جاتا تھا کہ وفات پا گئے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراجعت فرمائیں گے اور اُن لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے جو کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔"

اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حالت پر نظر ڈالیے! جب اُن کو اِس سانحۂ ہوش رُبا کی خبر پہنچی تو گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور سیدھے حجرۂ مبارک پر پہنچے، چہرۂ اقدس سے چادر اُٹھائی، پیشانی کو بوسہ دیا اور رو کر کہا:

"آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ کی حیات اور وفات دونوں پاک ہیں، جو موت خدا تعالیٰ نے آپ کے لیے مقدر فرمائی تھی اُس کا ذائقہ آپ نے چکھ لیا، اب اس کے بعد آپ کبھی وفات نہ پائیں گے۔"

اِس کے بعد مسجد نبوی میں آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کلامِ بالا کہتے ہوئے سنا۔ اُن سے کہا:

''سنبھلو اور خاموش ہو جاؤ!''

وہ خاموش نہ ہوئے تو خود سلسلۂ کلام شروع کر کے حاضرین کو اپنی طرف مخاطب فرما لیا اور کہا:

''اے لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوجتا تھا تو (وہ سمجھ لے کہ) محمد نے وفات پائی اور جو کوئی اللہ کو پوجتا تھا تو (وہ جان لے کہ) اللہ زندہ ہے، کبھی نہیں مرے گا۔ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد:) اور نہیں محمد مگر ایک رسول، اُن سے پہلے رسول گزر چکے ہیں تو کیا وہ اگر مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم برگشتہ ہو جاؤ گے اور جو شخص برگشتہ ہو جائے گا تو وہ خدا کو کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ شکر گزاروں کو عن قریب جزا دے گا۔''

اِس کلام کو سن کر آنکھوں کے سامنے سے حیرت کا پردہ اُٹھ گیا اور حقیقت واقعہ منکشف ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اِنکشاف ہوا تو فرطِ غم سے بیٹھ گئے۔ اہل معرفت نے اس خطبہ کو توحید کا اعلیٰ مظہر مانا ہے۔

غور کرو! اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قوتِ ایمانی اُس وقت اِس حیرت کو رفع نہ کر دیتی تو مثل اور انبیا کے آپ کی رحلت کا واقعہ چیستان بن کر رہ جاتا۔ دِین وملت کا سارا شیرازہ درہم وبرہم ہو جاتا۔

بنی ساعدہ کے سقیفے کا حال تم پڑھ چکے، وہ چند گھنٹے ایسے خطرناک اور قیمتی تھے کہ اُن کے فیصلے نے اُمت کو تباہی سے بچا لیا۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ

''واقعہ سقیفہ دفعۃً ہوا، مگر اُس نے مسلمانوں کو تباہی سے بچا لیا۔''

یہ بھی دیکھو کہ اُس جدوجہد سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقصد ذاتی رفعت نہ تھی بلکہ محض اُمت کی خدمت تھی۔ جب انتخاب اور بیعت کا وقت آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو پیش فرما دیا کہ اِن میں سے جس سے چاہو بیعت کرلو! دونوں خلافت کے اہل ہیں۔ خلیفہ ہونے کے بعد صاف کہہ دیا کہ

''نہ خلافت کی مجھ کو کبھی تمنا تھی نہ مَیں نے پوشیدہ اِس کے لیے دعا کی۔''

خلافت کا زمانہ قوتِ ایمانی کے اعلیٰ ظہور کا زمانہ ہے۔ اُس عہد کے واقعات بلند آہنگی سے یہ شہادت دے رہے ہیں کہ شانِ صدیقیت اور ایمانی قوت میں وہ مبارک ذات ممتاز تھی۔ واقعاتِ خلافت کہہ رہے ہیں کہ شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ قول بالکل صحیح تھا کہ

''حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہما کی قوتِ عالمہ و عاملہ انبیاء و رُسل کے مشابہ تھی۔ خلافت صدیقی کا زمانہ قوتِ عمل کا کارنامہ تھا۔''

اِبتدائی خطبہ دیکھو! اُس میں یہ الفاظ ہیں:

''جو تم میں کم زور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے، اِن شاء اللہ اُس کا حق دلواؤں گا اور تم میں جو قوی ہے وہ میری نظر میں کم زور ہے، اُس سے اِن شاء اللہ حق لے کر چھوڑوں گا۔''

اِس کے ساتھ وہ فقرہ ملایئے جو ہنگامہ ردّت کے وقت فرمایا تھا:

انه قد انقطع الوحی و تم الدین اینقض و انا حی۔

(ظاہر ہے کہ وحی کا سلسلہ قطع ہوگیا، دِین کمال کو پہنچ گیا، کیا یہ ممکن ہے کہ میری زندگی میں اُس کی قطع و برید کی جائے)

اِن دونوں مقولوں سے واضح ہے کہ خلافت سے حضرت کا مقصود حفاظت دین اور خدمت خلق تھی۔ عملاً یہ ثبوت ہے کہ اُن دو خدمتوں کے سوا کوئی تیسرا کام اُنھوں نے خلافت میں نہیں کیا۔

آغازِ خلافت میں جھوٹے مدعیانِ نبوت کی وجہ سے عرب میں اِرتداد، خانہ جنگی و بغاوت کا طوفان ہر طرف بپا تھا۔ موَرّخ اِبن اثیر کا قول ہے کہ

"چوبیس قبیلے مرتد ہو کر میدانِ جنگ میں سرگرم کارزار تھے، سرحد کی دو جانب قیصر و کسریٰ مسلمانوں کی تاک میں تھے۔"

اِس حالت کا نقشہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اِن الفاظ میں کھینچا ہے:

"اُس وقت مسلمان بکریوں کے اُس گلّے سے مشابہ تھے جو جاڑوں کی سرد رات میں بہ حالت بارش میدان میں بے گلہ بان کے رہ جائے۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غایت تدبر سے اِن تمام مشکلات کا صحیح اندازہ فرمایا اور اُس کی کامل تدبیر فرمائی اور یہی ایک مدبر کا کمال ہے۔ دیکھو، خلافت کے دس ویں دن جو قاصد اِرتداد کی خبریں لے کر مدینہ طیبہ میں آئے اُن سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

"صبر کرو! اِس کے بعد جو خط آئیں گے اُن میں اِس سے زیادہ سخت خبریں ہوں گی۔"

مسلمانوں کو قیصر و کسریٰ کے شر سے محفوظ رکھنے کا یہ اِہتمام تھا کہ فتنۂ اِرتداد سے فارغ ہوتے ہی اُن کی جانب ہمہ تن متوجہ ہو گئے۔ اِس زمانہ میں ایک صحابی نے اپنے قبیلے کے ایک معاملے کی جانب اُن کو توجہ دلائی تو غصہ ہو کر فرمایا کہ

"مَیں تو اُن دو شیروں کے زیر کرنے کی فکر میں ہوں جو مسلمانوں کی تاک میں ہیں اور تم میری توجہ معمولی کاموں کی طرف مائل کرتے ہو۔"

خلافت صدیقی کا زمانہ صرف سوا دو سال ہے۔ اِسی قلیل عرصے میں اِرتداد کا وہ فتنہ فرو کیا جاتا ہے جس کی آگ یمن سے لے کر نواحِ مدینہ طیبہ تک مشتعل تھی۔ اس حالت پر غور کرو کہ یمن سے لے کر مدینہ طیبہ تک مرتدوں کے لشکر پڑے ہوئے ہیں، خود مدینہ طیبہ مرتدوں کے نرغے میں ہے۔ اس ہنگامہ قوت کے ساتھ مرتد خلیفہ رسول اللہ کو یہ پیام دیتے ہیں کہ ہم سے نماز پڑھوا لو، مگر زکوٰۃ معاف کر دو! گویا بنیادِ اسلام کا ایک پایا ڈھا دینا چاہتے ہیں۔ اِس طرف یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کا چیدہ لشکر حضرت

اُسامہ رضی اللہ عنہ کی سرداری میں رومیوں کے مقابلے میں روانہ ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتے ہیں جن میں فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ بھی شریک ہیں۔ سب کی رائے ہوتی ہے کہ نرمی مناسب وقت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ تھے:

یا خلیفة رسول اللّٰہ! تالف الناس و ارفق بھم۔

(یعنی اے خلیفہ رسول اللہ! ان لوگوں کے ساتھ تالیف قلوب اور نرمی کا برتاؤ کیجیے!)

اِس مشورے کو سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

ا جبار فی الجاھلیة و خوار فی الاسلام انه قد انقطع الوحی و تم الدین اینقص و انا حی و اللّٰہ لاجاھدنھم و لو منعونی عقالا۔

"یہ کیا کہ تم جاہلیت میں تو بڑے سرکش تھے، مسلمان ہو کر ذلیل و خوار ہو گئے۔ وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور دین کمال کو پہنچ گیا۔ کیا میری حیات میں اُس کی قطع و برید کی جائے گی۔ واللہ! اگر لوگ ایک رسّی کا ٹکڑا بھی (فرض زکوۃ میں سے) دینے سے اِنکار کریں گے تو مَیں اُن پر جہاد کروں گا۔"

یہ فرما کر مرتدوں کے ایلچی اسی جواب کے ساتھ واپس کر دیے جاتے ہیں۔ اُن کے جانے کے بعد باوجود ظاہری بے سروسامانی کے مدینہ منورہ کی حفاظت فرمائی جاتی ہے اور حملہ آوروں کے حملے نہ صرف روکے جاتے ہیں بل کہ اُن پر حملہ کر کے شکست دی جاتی ہے اور سیلاب اِرتداد کے فرو کرنے کی قوت کے ساتھ تدبیر کی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۱ ہجری کے ختم تک یعنی صرف نو ماہ میں یہ ہنگامہ فرو ہو گیا اور اس قوت کے ساتھ کہ پھر آج تک نہیں برپا ہوا۔

۱۲ ہجری میں کسریٰ کی قوت کا کسر و اِنکسار شروع ہوا اور اِختتام سنہ مذکور سے قبل مجوزہ مہم عراق ختم ہو گئی۔ اس کے ختم ہوتے ہی قیصر کی نوبت آئی۔ اسلام کے لشکر شام

پر بڑھے۔ اور معرکہ یرموک کے سر ہونے سے رومیوں کو قوتِ اسلام کا اندازہ ہو گیا۔
اسی واسطے خطبہ وفات میں حضرت شیرِ خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

"اِن اوصاف وفضائل کی قوت سے تم نے باطل کو اُکھیڑ کر پھینک دیا، اُس کے بعد راستہ صاف تھا، مشکل آسان تھی اور فتنہ وفساد کی آگ سرد۔"

جنگی معرکوں کے ساتھ ملکی انتظام بھی تھے۔ عراق فتح بھی ہوا، اُس میں خراج کا بندوبست بھی ہوا اور خراج وصول ہو کر اسلام کے مقاصد کی تکمیل میں صرف بھی ہونے لگا۔ لشکر کو یہ ہدایتیں تھیں:

"خیانت نہ کرنا، دھوکا نہ دینا، سردار کی نافرمانی نہ کرنا، کسی شخص کے اعضا نہ کاٹنا، کسی بچے بوڑھے یا عورت کو قتل نہ کرنا، کھجور اور میوہ دار درخت نہ کاٹنا نہ جلانا، اونٹ، بکری یا گائے کو سوا غذا کی ضرورت کے نہ مارنا، عیسائیوں کے گوشہ گیر اہلِ عبادت کو نہ ستانا، نعمتیں کھا کر خدا کو نہ بھول جانا۔"

دیکھو، عین معرکہ کارزار میں دین واخلاق کا سبق یاد رکھنے کی تاکید ہے۔ ترحم و کرم کا دائرہ انسان، حیوان، نباتات؛ سب کے لیے وسیع ہے۔ مؤرخ ابن اثیر نے (جن کی وفات ۶۳۸ھ میں ہے) لکھا ہے کہ

"خلافت صدیقی کے احکامِ بالا آج تک مسلمانوں کے لشکر کے دستورُ العمل ہیں۔"

یورپ کی حالیہ جنگ عظیم کے ہولناک مناظر دیکھ کر قدرتی طور پر یہ تمنا قلب سلیم میں پیدا ہوتی ہے کہ کاش! تعلیم صدیقی کا فیض مغرور یورپ نے حاصل کر لیا ہوتا تو بنی نوع انسان پر یہ مصیبت نازل نہ ہوتی۔

اِس موقع پر ذرا شانِ صدیقی کا مرقع دل کی نگاہ کے سامنے لے آؤ! مسیلمہ کذاب سے معرکہ ہے، روم و ایران کے شیروں سے مقابلہ ہے، محلّہ کی لڑکیوں کی فرمائش سے بکریاں دوہی جا رہی ہیں، راستہ میں بچے بابا، بابا کہہ کر لپٹ رہے ہیں،

نواحِ مدینہ میں ایک اپاہج اندھی بڑھیا کی خدمت اِس اِہتمام سے ہو رہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی سبقت نہیں لے جا سکے۔ کاندھے پر کپڑے کی گٹھڑی ہے اور مدینہ کے بازار میں خرید و فروخت کر کے اہل و عیال کی روزی کا سامان کرتے ہیں۔ مدینہ پر حملہ ہوتا ہے تو لشکر کی کمان بھی کرتے ہیں۔ میدانِ جنگ کا پورا خاکہ تیار کر کے امیرانِ لشکر کے حوالے فرماتے ہیں۔

عراق کی مہم میں یہ بھی اِہتمام ہے کہ ملک کی آبادی میں فرق نہ آئے، زراعت و اہل زراعت تباہ نہ ہوں، بندوبست اراضی کی ہدایتیں جاری ہوتی ہیں۔ کلامِ مجید اور حدیث کی خدمت ہو رہی ہے۔ فقہ کے اُصول مرتب ہوتے ہیں۔ دین کے مشکل مسئلے حل کیے جاتے ہیں۔ ذکر کی تلقین ہوتی ہے۔ غرض ایک ہی وقت میں بادشاہ اور درویش، مفسر، محدث، فقیہ، اولوالعزم اور مسکین، سپہ سالار اور مالیات کے حاکم، تاجر سب کچھ ہیں اور جب دُنیا سے جاتے ہیں تو دُنیا سے بالکل پاک صاف، نہ ملک ورثا کے لیے چھوڑتے ہیں نہ روپیہ نہ جائداد، پرانی چادریں دھوئی جاتی ہیں اور خلیفہ رسول اللہ اُن میں دفنائے جاتے ہیں اور دیکھو، یہ سب کچھ محض اللہ اور اُس کے رسول کی رضامندی کے لیے ہے۔

علمی خدمات: قرآن مجید بہ شکل کتاب ایک جا لکھوا کر محفوظ فرما دیا اور اُس کا نام مصحف رکھا۔ معانی کلام مجید کے متعلق جو مشکلات پیش آئیں اُن کو حل کیا۔

حدیث کی روایت کی۔ زکوٰۃ کی مقادیر کی بابت سب سے زیادہ معتبر روایت حضرت صدیق کی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دیگر اُمہات مسائل میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایتیں سند ہیں۔

فقہ میں قاعدۂ اِجتہاد مقرر کیا جو سارے مجتہدوں کا دستورُ العمل بنا۔ مشکل مسائل فقہ کو حل کیا۔

تعبیر رویا میں ان کی شانِ جلالت مسلم ہے۔

تصوف میں ذکر کلمہ طیبہ کا طریقہ سب سے اوّل تلقین کیا۔ ''کشف المحجوب'' میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امام تصوف لکھا ہے۔ طریقہ نقش بندیہ کا سلسلہ بہ واسطہ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ اہل معرفت کا قول ہے کہ نسبت صدیقی نسبت ابراہیمی تھی اِسی لیے غلبہ توحید علیٰ وجہ الکمال تھا۔ کلامِ مجید میں حضرت اِبراہیم علیہ السلام کے لقب ''اَوَّاہٌ مُنِیْبٌ'' ہیں۔ یعنی دردمند اور اللہ پاک کی طرف رجوع کرنے والے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب اوّاہ (دردمند) تھا۔ یہ بھی نسبت اِبراہیمی کا اثر تھا۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مرتبہ ضمنیت کبریٰ حاصل تھا۔ لہٰذا کمالات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر اتم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے:

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے قلب پر شعاعِ غیبی کا ظہور لطیفہ قلبیہ سے ہوتا تھا۔ لہٰذا حقیقت حال بہ صورت عزیمت ظاہر ہوتی نہ بہ رنگ تخیل۔ حدیث ما صب اللّٰہ فی صدری شیئا الا صببتہ فی صدر ابی بکر یعنی جو کچھ اللہ نے میرے سینہ میں ڈالا میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا۔

واقعہ وفات پر غور کیجیے! ایک انسان کی اصل حالت کا معیار غالباً اُس زمانہ سے بڑھ کر دوسرا نہیں ہو سکتا جو موت کے قریب ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جسمانی حیثیت سے کبھی قوی نہ تھے، اس ضعف کے ساتھ تریسٹھ برس کی عمر میں علیل ہوتے ہیں، پندرہ روز بخار آتا ہے، اِنتہا یہ کہ مسجد جانے کی قوت نہ رہی حالاں کہ گھر کی کھڑکی مسجد میں تھی۔ اِس سے تم جسمانی ضعف کا اندازہ کر سکتے ہو۔ اس شدتِ ضعف و مرض میں عزیمت کا کیا حال ہے۔ بعض ہم درد طبیب بلانے کا مشورہ دیتے ہیں تو فرماتے ہیں:

''طبیب دیکھ چکا۔''

اِستفسار کرتے ہیں:

''دیکھ کر کیا کہا؟''

فرماتے ہیں:

''یہ کہا ہے:

انی فعال لما ارید۔ (یعنی میں جو اِرادہ کرتا ہوں کرڈالتا ہوں)''

دیکھو! حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی نبض کس کے ہاتھ میں تھی۔ یہ تسلیم و رضا کا بہترین سبق ہے۔

ایامِ مرض اُس گھر میں بسر کرتے ہیں جو دربارِ نبوی سے مرحمت ہوا تھا۔ جب مرض نے زیادہ زور پکڑا تو جانشین کی فکر ہوئی۔ سوچا، مشورہ کیا۔ بالآخر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔ اِس انتخاب پر اُن فیوض و برکات نے آفریں کہی جو عالم پر دورِ فاروقی میں عدلِ فاروقی سے نازل ہوئے۔

منشاے انتخاب کیا تھا، وہ بھی سن لو۔ جب ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سخت مزاج خیال کر کے اِعتراض کیا تو نہایت جوشِ صداقت کے ساتھ جواب دیا:

ا باللّٰہ تخوفنی اذا لقیت اللّٰہ قلت استخلفت علٰی اھلك خیر اھلك۔

یعنی کیا تم مجھ کو خدا سے ڈراتے ہو؟ میں جس وقت اللہ کے رُوبہ رُو جاؤں گا تو کہوں گا کہ میں تیری مخلوق پر سب سے بہتر آدمی کو اپنا جانشین مقرر کر کے آیا ہوں۔

اس کی تشریح اُس دُعا کے الفاظ میں بھی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں بعد وصیت فرمائی:

اللھم انی لم ارد بذٰلك الا اصلاحھم و خفت علیھم الفتنة فعملت فیھم بما انت اعلم به و اجتھدت لھم رایا ولیت علیھم خیرھم و اقواھم و احرصھم علی ما ارشدھم۔

''اے اللہ! میں نے یہ انتخاب صرف مسلمانوں کی بہتری کے ارادے

سے کیا ہے اور اس اندیشہ سے کہ اُن میں فساد نہ ہو۔ میں نے وہ عمل کیا ہے جس کو تو بہتر جانتا ہے۔ میں نے خوب غور و فکر کے بعد بہترین اور قوی ترین شخص کو ولی عہد کیا ہے جو سب سے زیادہ مسلمانوں کی راست روی کا خواہش مند ہے۔"

عین وفات کے قریب حضرت مثنیٰ عراق سے فوجی کمک حاصل کرنے مدینہ آتے ہیں تو خلیفہ کو بستر وفات پر پاتے ہیں۔ اس پر بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سے مفصل حالات سنتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرماتے ہیں:

"جو مَیں کہتا ہوں اُس کو سنو اور عمل کرو! مجھ کو توقع ہے کہ آج میری زندگی ختم ہو جائے گی۔ دن میں میرا دم نکلے تو شام سے پہلے اور رات میں نکلے تو صبح ہوتے ہوتے مسلمانوں کو ترغیب دے کر مثنیٰ کی مدد پر آمادہ کرنا۔ کسی مصیبت کی وجہ سے دین کی خدمت اور حکم ربانی کی تعمیل سے نہ رُکنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے بڑھ کر کیا مصیبت ہو سکتی ہے، تم نے دیکھا ہے کہ اُس روز میں نے کیا کیا تھا۔ قسم ہے رب کی اگر مَیں اُس روز حکم الٰہی کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا تو اللہ ہم کو تباہ کر کے سزا دیتا اور مدینہ میں آگ بھڑک اُٹھتی۔ اگر خداوند تعالیٰ شام میں مسلمانوں کو فتح دے تو خالد کے لشکر کو عراق بھیج دینا اس لیے کہ وہ کار آزمودہ اور وہاں کے حالات سے واقف ہے۔"

اُسی دورانِ مرض میں یہ محاسبہ ہوتا ہے کہ بیت المال سے وظیفہ کیا ملا۔ ظاہر ہے کہ جو کچھ ملا واجبی ملا۔ حق المحنت تھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تجویز سے ملا۔ تاہم صفائی محاسبہ پیش نظر تھی اس لیے اپنی ایک جائداد فروخت کرا کر کل رقم بیت المال کی بے باق کر دی۔ بعد بیعت کے جو اضافہ مال میں ہوا تھا (یعنی ایک حبشی غلام جو بچوں کو کھلاتا تھا اسی کے ساتھ مسلمانوں کی تلواروں پر صیقل کرتا تھا، ایک چادر سوا روپیہ قیمت کی اور

ایک اونٹنی (جس پر پانی آتا تھا) اُس کی نسبت حکم ہوا کہ بعد وفات سب چیزیں خلیفہ کے پاس پہنچادی جائیں۔ جب اس حکم کی تعمیل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ روئے اور فرمایا:

"اے ابوبکر! تم اپنے جانشینوں کے لیے کام بہت سخت کر گئے۔"

اِتباعِ سنت دیکھو! قریب وفات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ

"حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے پارچہ کا کفن دیا گیا؟"

کہا:

"تین پارچہ کا۔"

فرمایا:

"میرے کفن میں بھی تین ہی کپڑے ہوں۔ دو یہ چادریں جو میرے بدن پر ہیں دھولی جائیں ایک چادر نئی لی جائے!"

(مسلمانو! تمہارے خلیفہ کے توشہ خانہ میں صرف دو چادریں تھیں)

اِیثار ملاحظہ ہو! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر کہا کہ

"ہم ایسے تنگ دست نہیں کہ نیا کپڑا نہ خرید سکیں۔"

فرمایا:

"جانِ پدر! نئے کپڑے مُردوں سے زیادہ زِندوں کے لیے موزوں ہیں، کفن تو پیپ اور لہو کے واسطے ہے۔"

قدرتی اِتباعِ سنت دیکھیے! اِنتقال کے روز فرمایا کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس دِن رحلت فرمائی؟"

لوگوں نے کہا:

"دوشنبہ کو۔"

فرمایا:

"مجھے اُمید ہے کہ میری موت بھی آج ہوگی۔" (یہ دوشنبہ کا دن تھا)

سنو ادبِ محبوب! عین سکرات کے وقت جب دم سینہ میں آ چکا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حسرت سے یہ شعر پڑھا:

و ابیض یستسقی الغمام بوجهه
ربیع الیتامی عصمة للارامل

یعنی وہ نورانی صورت جس کی تازگی سے ابر سیراب ہو۔ یتیموں کی پناہ، بیواؤں کا محافظ۔

سن کر آنکھیں کھول دیں اور کہا:

''یہ شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، ابوبکر اس کا مستحق نہیں۔'' رضی اللہ عنہ

خدارا! ان واقعات پر غور کرو اور کہو کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں سوائے اللہ اور اُس کے رسول کے کسی کی بھی محبت تھی۔ واللہ! نہ تھی، ہرگز نہ تھی۔

بہ پردہائے دل و چشم من نہاں حسرت
من و خدائے کہ جز جلوۂ نگارم نیست

رضی اللہ عنہ و جزاہ عنا خیر الجزاء۔

و اخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین۔

مجلس شرعی مبارک پور کے بیس[20] فقہی سیمناروں
میں ساٹھ[60] جدید مسائل کے متفقہ فیصلے

مجلسِ شرعی کے فیصلے

جلد اوّل

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی مدظلہ
صدر شعبہ افتاء وناظم مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ
مبارک پور، اعظم گڑھ (انڈیا)

والضحیٰ پبلی کیشنز
داتا دربار مارکیٹ لاہور - پاکستان
Ph:042-37300651
Cell:0300-7259263,0315-4959263

برائے نصاب ثانویہ عامہ طالبات

تنظیم المدارس کے نصاب کے مطابق

خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین

(تخریج شدہ)

حضرت علامہ مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ	حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

داتا دربار مارکیٹ لاہور۔پاکستان

Ph:042-37300651

Cell:0300-7259263,0315-4959263

ابوبکر و عمر خیر الاولین والآخرین وخیر اھل الارضین الا النبیین والمرسلین

ابوبکر و عمر بہتر ہیں سب اگلوں پچھلوں سے اور بہتر ہیں سب آسمان والوں اور سب زمین والوں سے سوا انبیاء و مرسلین کے۔

(کنز العمال [illegible])

مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین

تخریج شدہ ایڈیشن

امام اہلسنت مجدد دین وملت پروانہ شمع رسالت

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن

تقدیم و تحقیق و تخریج و تحشیہ

مفتی محمد ہاشم خان العطاری المدنی سلمہ الغنی

والضحیٰ پبلی کیشنز

ستا ہوٹل داتا دربار مارکیٹ لاہور

0300-7259263,0315-4959263

تالیف

حضرت علامہ مولانا مفتی

سید ضیاء الدین نقشبندی قادری

شیخ الفقہ جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن

ہادیہ حلیمہ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور۔ پاکستان

Cell:0300-7259263,0315-4959263

ہادیہ حلیمہ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور۔ پاکستان

Ph:042-37300651

Cell:0300-7259263,0315-4959263